الفرقان

ماہنامہ ربوہ

مارچ سنہ ۱۹۵۶ء

چندہ سالانہ
پانچ روپے

قیمت فی پرچہ
آٹھ آنے

(ایڈیٹر)

ابو العطاء جالندھری

معاون ایڈیٹرز

قاضی محمد نذیر لائلپوری فاضل ——— مسعود احمد دہلوی بی۔اے

مندرجات

۱- وفاتِ مسیح علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید کا ناطق فیصلہ (مولانا نعمانی لکھنوی کے شبہات کا ازالہ)	ایڈیٹر	ص۱
۲- شذرات	"	ص۱۲
۳- دفتر انصار اللہ مرکزیہ کی تکمیل کے لئے مخلصینِ جماعت کو آواز	حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب	ص۱۳
۴- گورو گرنتھ صاحب کا تعارف	جناب عباد اللہ صاحب گیانی	ص۱۵
۵- بنی اسرائیل کے دس گم شدہ قبائل کی تلاش میں حضرت مسیح کی ہندوستان میں آمد	جناب شیخ عبد القادر صاحب لائل پوری	ص۱۷
۶- وہ معصیت سے بری ہے جو مشرمسار آئے (نظم)	جناب نسیم سیفی صاحب مغربی افریقہ	ص۲۴
۷- پیشگوئی "عمانوایل" کے مصداق کون ہیں؟ (یسعیاہ ۷؍۱۴ کا ترجمہ اور رسالہ المائدہ کا بے جا واویلا)	جناب مسعود احمد صاحب دہلوی بی۔اے	ص۲۵
۸- لفظی الہام اور علامہ اقبال	جناب مولوی غلام باری صاحب سیف	ص۳۴
۹- معالجاتِ ہیضہ (طبی اسباق)	جناب ڈاکٹر عبد الحمید صاحب چغتائی لاہور	ص۳۵
۱۰- مذہب کے بارے میں جبر و تشدد کا نظریہ غیر فطری ہے	جناب چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات	ص۳۵

قواعد و ضوابط

۱- رسالہ الفرقان کی تاریخ اشاعت ہر ماہ کی سات تاریخ مقرر ہے۔

۲- سالانہ چندہ پیشگی پانچ روپے ہے۔ بیرونی ممالک سے بارہ شلنگ

۳- ایجنسی عام طور پر دس پرچوں سے زیادہ کیلئے ہوتی ہے ایجنٹ کیلئے پچیس فیصدی کمیشن مقرر ہے۔

۴- ہر ماہ کی بیس تاریخ تک خریدار کی طرف سے رسالہ نہ ملنے کی اطلاع آنے پر رسالہ دوبارہ بھیجا جا سکتا ہے ورنہ قیمتاً ملے گا۔

۵- مضامین بنام ایڈیٹر اور ترسیل چندہ وغیرہ بنام منیجر الفرقان ربوہ کے پتہ پر ہونا چاہیئے +

ضروری اطلاع

بہائیت کی تردید میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے دو شاندار کتابیں شائع ہوئی ہیں:-

۱- **بہائیت کے متعلق پانچ مقالے** - یہ وہ پانچ لیکچر ہیں جو مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعۃ المبشرین نے گزشتہ سال کوئٹہ میں دیئے تھے۔ ان میں بابیت و بہائیت کی تردید، بہائیوں کے عقائد، بہاء اللہ کے دعویٰ الوہیت، قرآن اور بہائی شریعت کا موازنہ کیا گیا ہے۔ ۲½ سو صفحات قیمت غیر مجلد ۱۲؍ مجلد ۱۴؍

۲- **بہائی شریعت اور اس پر تبصرہ** - اس رسالہ میں بہائیوں کی مخفیہ شریعت شائع کر کے اس پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ۲½ سو صفحات قیمت غیر مجلد ۱۲؍ مجلد ۱۴؍ ملنے کا پتہ:- منیجر الفرقان ربوہ

(مالک و ناشر ابو العطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ربوہ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۶ | الفرقان | شمارہ ۳

مسئلہ نزول مسیح کی حقیقت

وفات مسیح علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید کا ناطق فیصلہ

مولانا نعمانی لکھنوی کے شبہات کا ازالہ

اُمّتِ موسوی اور اُمّتِ محمدی میں مشابہت!

حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے وقت یہودی اپنی آسمانی کتابوں کے مطابق یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ایلیاؑ نبی آسمان پر بجسدہ العنصری زندہ موجود ہیں۔ موسوی اُمّت کے مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا جسم سمیت آسمان سے اُتریں گے۔ ان کے بعد موعود مسیح ظاہر ہوگا۔ چنانچہ یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال کیا کہ اگر آپ واقعی سچے مسیح ہیں تو ایلیا جسم سمیت آسمان سے کہاں اُترا ہے؟ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کو جواب دیا کہ نزولِ ایلیا سے مراد حضرت یحییٰؑ کا ظہور ہے اور ایلیا سے مراد حضرت یحییٰؑ ہیں حقیقی طور پر نہ حضرت ایلیا آسمان پر گئے ہیں اور نہ ہی جسمانی طور پر ان کے نزول کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک زرّیں اصل بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"آسمان پر کوئی نہیں چڑھا سوا
اس کے جو آسمان سے اُترا" (یوحنا ۳/۱۳)

گویا آپ نے واضح کر دیا کہ آسمان پر چڑھنے والی چیز انسان کی رُوح ہے نہ کہ جسم۔ انسانی جسم نہ آسمان سے اُترتا ہے اور نہ ہی آسمان پر چڑھتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی ان تصریحات کے باوجود یہود نے آج تک اپنے نظریّہ کو ترک نہیں کیا۔ وہ اب بھی حضرت ایلیا کے جسمانی نزول کے منتظر بیٹھے ہیں بلکہ اس کے لئے بیت المقدس کی دیوار گریہ کے ساتھ سر پٹخ پٹخ کر روتے ہیں۔ مگر کیا حضرت ایلیا آسمان سے اُترے ہیں یا کبھی اُتریں گے؟ ہرگز نہیں!

یہودیوں کو اپنی الہامی کتابوں (سلاطین ۲ و ملاکی) کے ظاہری الفاظ سے یہ دھوکہ لگا کہ ایلیا جسم سمیت آسمان پر گئے ہیں اور آسمان سے جسمانی طور پر خود اُتریں گے۔ وہ اپنے دلی زنگ کے باعث حضرت مسیح کی تفہیم کو نہ سمجھ سکے اور حق کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے حالانکہ ایک خدا ترس انسان کے لئے اس بات کو سمجھنا اور قبول کرنا کتنا آسان تھا۔

یہ ابتلاء جو یہودیوں کو پیش آیا مسلمانوں کیلئے بھی مقدّر تھا۔ قرآن مجید نے آیت إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى

اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل) میں ہمارے سید و مولیٰ حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسیٰؑ قرار دیا ہے۔ پھر آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (نور) میں اُمتِ محمدیہ میں خلفاء کے سلسلہ کو اُمتِ موسویہ کے خلفاء کے سلسلہ کے مشابہ قرار دیا ہے جس کے یہ معنے تھے کہ اُمتِ محمدیہ میں بھی اسی طرح خلفاء آئینگے جس طرح حضرت موسیٰؑ کی اُمت میں آئے تھے۔ موسوی اُمت میں چودھویں صدی میں عظیم الشان مصلح حضرت مسیح علیہ السلام آئے تھے۔ پس ضرور تھا کہ اُمتِ محمدیہ کو بھی ایک مسیح موعود کی بشارت دی جاتی۔ چنانچہ یہ بشارت قرآن مجید میں بھی اور احادیث نبویہ میں بھی دی گئی ہے۔ احادیث میں اس کے لئے نزول کا لفظ وارد ہوا ہے۔ لفظ نزول قرآن مجید اور احادیث کے استعمال میں جسمانی طور پر اُترنے کے لئے لازمی نہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کو لفظ نزول سے ذکر کیا گیا ہے قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا (سورۃ الطلاق) عربی زبان میں لفظ نزیل مسافر کے لئے مستعمل ہے کتنی واضح بات تھی کہ جب قرآن مجید نے اپنی نصوصِ صریحہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کو فوت شدہ قرار دیا ہے۔ انہیں گزرے ہوئے نبیوں میں سے ایک ٹھہرایا ہے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شبِ معراج میں انہیں وفات یافتہ نبیوں میں دیکھا اور ان کی ایک سو بیس سال عمر قرار دیکر ان کی طبعی موت کا اعلان فرمادیا ہے تو اب محض لفظ نزول سے اتنی ٹھوکر کھانے کی کیا وجہ تھی کہ حضرت مسیح کے جسمانی نزول کا انتظار کیا جاتا۔ مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہونی تھی کہ میری اُمت حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ یہود کے نقشِ قدم پر چلے گی۔ آہ! آج مسلمان اپنی خرابیوں کے علاج کے لئے رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کے مصداق مسیح کے آسمانوں سے جسمانی طور پر اُترنے کے لئے منتظر بیٹھے ہیں۔ چودھویں صدی آئی۔ خدا کا فرستادہ مسیح موعود غلام احمدؑ وقت پر ظاہر ہوا مگر ظاہر پرست علماء لفظ نزول کو پکڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور مسیح موعود پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ مگر کیا ہمارے یہ بھولے ہوئے بھائی کبھی حضرت مسیح ناصریؑ کو آسمان سے جسم سمیت اُترتا دیکھ سکیں گے؟ کبھی ان کی یہ اُمید بر آئے گی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسمانی طور پر بادلوں سے نزول فرما ہوں؟ ہرگز نہیں! قطعاً نہیں۔ سچ یہی ہے کہ حضرت مسیح نہ جسمانی طور پر آسمان پر گئے ہیں اور نہ ہی جسمانی طور پر اُتریں گے۔ ہم اپنے بھائیوں سے دردمندانہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ قدرت کی انگلی کے اشارہ کو سمجھیں، آسمانی صحیفوں پر غور کریں تو خود انہیں خود کہنا پڑیگا ؎

عمر کو بیٹھو آسمان سے اب کوئی آتا نہیں
عمرِ دُنیا سے بھی اب تو آگیا ہفتم ہزار

مولانا سید سلیمان ندوی کا آخری بیان

مولانا عبدالماجد صاحب بی۔ اے مدیر "صدقِ جدید" لکھنؤ نے حکومت پاکستان کے ایک معزز غیر احمدی عہدہ دار کا ایک مکتوب اپنے اخبار میں شائع فرمایا جس میں "عقیدہ نزولِ مسیح" کے سلسلہ میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے بارے میں لکھا ہے کہ:-

"مولانا نے کہا میں خود اس عقیدے کا نہیں ہوں اور اس کے متعلق احادیث

کو موضوع سمجھتا ہوں۔ مولانا سید
سلیمان ندوی مرحوم نے اپنے اس
خیال کو مولانا احتشام الحق صاحب
سے بھی بیان کیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ
یہ بھی ان سے کہا تھا کہ اس عقیدہ سے
کی مخالفت ایک فتنہ کا باعث
ہوگی۔ اسلئے اس سے احتراز کرتا ہوں
اسلئے بھی کہ یہ اسلام کا کوئی لازمی جزو
نہیں۔" (صدق جدید لکھنؤ ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

اس بیان سے ناراض ہو کر لکھنؤ کے رسالہ الفرقان کے ایڈیٹر مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے اپنے رسالہ دسمبر ۱۹۵۵ء میں "مسئلہ نزول مسیح" کے زیر عنوان طویل مضمون شائع فرمایا ہے۔ مولانا نعمانی صاحب یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ مولانا سید سلیمان نے آخری عمر میں اس خیال کا اظہار کیا ہو جس کے لئے انہوں نے اپنے قیاس کے علاوہ جناب محمد اشرف خان صاحب ایم۔ اے پشاور کی ایک زبانی روایت بھی سابقہ زندگی کے متعلق درج فرمائی ہے (رسالہ فروری ۱۹۵۶ء) ہمارے نزدیک مولانا سید سلیمان صاحب کے عقیدہ یا خیال کی تبدیلی کا معاملہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ جناب محمد اشرف صاحب کی روایت کے درست ہونے کے باوجود یہ ممکن ہے کہ آخری ایام زندگی میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی تحقیق سے اس نتیجہ پر پہنچے ہوں جس کا انہوں نے مناسب طریق پر اظہار کر دیا۔ عقلاً یہ معاملہ قیاس آرائیوں سے بالا ہے۔ اس کے بارے میں خالص حقائق کو دیکھنا مناسب ہے۔ اوّل تو صاحبِ مکتوب کا بیان واضح ہے۔ دوم اسکے امتحان کے لئے آسان راہ یہ ہے کہ مولانا احتشام الحق صاحب سے جو ابھی بقید حیات ہیں اس بیان کے بارے میں باقاعدہ حلفیہ شہادت لی جائے۔ مولانا نعمانی کا اس معقول طریق سے گریز اور مولانا احتشام الحق صاحب کی اس وقت خاموشی صاف طور پر صاحبِ مکتوب کی تائید کر رہی ہے۔ اِن حالات میں ہر عقلمند آدمی اسی طرف مائل ہوگا کہ صدق جدید میں شائع شدہ بیان سراسر درست ہے۔ مولانا نعمانی اپنے قیاس کے "زور" سے اور لفظ "موضوع" کے اصطلاحی مفہوم کی آڑ لے کر اسے بدلنا چاہتے ہیں ورنہ بات بالکل واضح ہے۔ مولانا سلیمان ندوی کے اقرار یا انکار سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا مگر جناب مولانا نعمانی کا خیال ہے کہ:-

"مراسلہ نگار صاحب نے حضرت مولانا
سید سلیمان ندوی مرحوم کے حوالہ سے
اس میں ایک ایسی بات نقل کر دی تھی جس
نے اس بے جان مضمون کو پورا جاندار
بنا دیا تھا۔"

اسی خیال کا نتیجہ ہے کہ مولانا نعمانی نے اس "پورے جاندار مضمون" کو پھر "بے جان" بنانے کی کوشش میں اپنے رسالہ کے سترہ صفحات بھر دیئے ہیں۔

عقیدہ حیاتِ مسیح اور آیاتِ قرآنی

ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کو راستباز نبی ماننے والے ان کی **روحانی زندگی** کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح جملہ انبیاء کی روحانی زندگی کے قائل ہیں اختلاف صرف اس میں ہے کہ آیا حضرت مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں یا وہ بھی باقی انبیاء و مرسلین کی طرح جسم کے لحاظ سے وفات پا چکے ہیں۔ مولانا نعمانی اس نظریہ کے حامی ہیں کہ ہنوز حضرت

عیسیٰؑ آسمان پر خاکی جسم کے ساتھ زندہ تشریف فرما ہیں
حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہ انوکھا اور سارے عیسائیوں سے نرالا عقیدہ اگر عیسائی اختیار کریں تو ہرگز قابلِ تعجب امر نہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ اور اِلٰہ مانتے ہیں لیکن اگر کوئی مسلمان ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو یقیناً ایک طالبِ صداقت کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ ان قرآنی دلائل کا مطالبہ کرے جن پر یہ عقیدہ مبنی ہے۔ آئیے! اب ہم مولانا نعمانی سے ان کے اس دعویٰ کا ثبوت سنیں اور اس کا جائزہ لیں۔

مولانا نعمانی نے اپنے مضمون میں ایک آیت وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ پیش فرمائی ہے۔ جناب محمد اشرف صاحب نے اسی آیت سے استدلال کو مولانا سلیمان صاحب ندوی سے منسوب کیا ہے۔ سورۃ الزخرف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِہَا وَاتَّبِعُوْنِ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (ع ۶) کہ وہ قیامت یا الساعۃ کی نشانی ہے پس تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔"

اِس صاف عبارت سے یہ اخذ کرنا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ موجود ہیں بہت بڑی زیادتی ہے۔ اسی لئے صدقِ جدید کے مراسلہ نگار کو بجا طور پر لکھنا پڑا کہ:۔

"اس قدر دُور از کار معنی صرف اسلئے جائز قرار دیئے گئے کہ پہلے حضرت عیسےٰؑ کی دوبارہ آمد پر اعتقاد کر لیا گیا۔"

آیت کریمہ پر تدبر کریں تو فی الواقع اس کا حضرت عیسےٰؑ کی آسمانوں پر جسمانی زندگی سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ پہلا قابلِ غور امر یہ ہے اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ مولانا نعمانی خود لکھتے ہیں:۔

"اس آیت میں اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع خواہ عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا جائے خواہ قرآن مجید کو قرار دیا جائے خواہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کو۔ بہرحال علم سے مراد ذریعۂ علم ہی ہوگا۔"

جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع تین میں سے کوئی ایک ہو سکتا ہے خواہ (۱) قرآن مجید ہو (۲) یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں (۳) یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں تو پھر اس آیت سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی پر استدلال کرنا اصولِ تحقیق کے خلاف ہے۔ قاعدہ یہ ہے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کہ متعدد احتمالات کی صورت میں استدلال درست نہیں ہوتا۔ اس جگہ احتمال کو مولانا خود تسلیم کرتے ہیں کہ "یہ تینوں اپنی اپنی حیثیت سے قیامت کے علم کا ذریعہ ہو سکتے ہیں۔"

آیت پر تدبر کریں تو سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ اِنَّہٗ کا مرجع قرآن کریم کو قرار دینا زیادہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ منکرین قیامت کو اس وقت کہا گیا ہے فَلَا تَمْتَرُنَّ بِہَا کہ "قیامت میں شک نہ کرو۔ میری پیروی کرو۔" حضرت مسیحؑ کو علم للساعۃ ٹھہرانے کی صورت میں یہ جملہ غیر مربوط ہوا جاتا ہے۔ اسی بے ربطگی کے احساس کے ازالہ کے لئے مولانا نعمانی نے لکھا ہے کہ:۔

"اِنَّہٗ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کیطرف راجع ہونے کی تقدیر پر ایک دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی اس حیثیت سے کہ خدا کے

امر سے پیدا ہوگئے اور اپنے معجزہ احیاءِ
موتیٰ کے پہلو سے قیامت کو جاننے سمجھنے
کا ذریعہ ہیں"

ہم مولانا سے بادب عرض کریں گے کہ اندریں حالات آپ کو اِنّہٗ لعلمٌ للساعۃ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانوں پر جسمانی زندگی کے استدلال کے تکلّف کی کیا ضرورت تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ جب سلف صالحین نے آیت کا یہ دوسرا مطلب بیان کر دیا ہے تو بات صاف ہو چکی ہے۔ پس اِس آیت سے بالتعیین حضرت عیسیٰؑ کو زندہ سمجھنا درست ثابت نہ ہوا۔

ایک اور بات قابلِ غور یہ ہے کہ الساعۃ سے کونسی ساعت اور کس کی ساعت مراد ہے؟ امام راغب اصفہانی الساعۃ کی تین اقسام بیان کرتے ہوئے "موت اھل القرن الواحد" ایک زمانہ کے لوگوں کی ہلاکت کو بھی الساعۃ قرار دیتے ہیں۔ اگر اِنّہٗ کا مرجع حضرت مسیحؑ ہی ہوں تب بھی ان کی جسمانی زندگی لازم نہیں آتی۔ وہ جب آئے تھے تو یہود کی قیامت کا نشان بن کر آئے تھے۔ کیونکہ اُن کے بعد یہودی روحانی انعامات سے محروم ہو کر موردِ لعنت بن گئے تھے۔

مولانا نعمانی کو بے جا اصرار ہے کہ علمٌ للساعۃ اور علمُ الساعۃ میں کھلا ہوا لفظی اور معنوی فرق ہے حالانکہ اگر علم کے معنی نشانی ہوں تو دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ مولانا کو خوب معلوم ہے کہ "تکون الاضافۃ علیٰ معنی اللام باکثریۃ" کہ اضافت اکثر و بیشتر لام کے معنے پیدا کرتی ہے۔ اِس صورت میں اگر کوئی صاحبِ ذوق انسان مولانا کو سورۃ الزخرف کی ایک اگلی آیت وَعِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (۸۵) کی طرف توجہ دلائے کہ قرآن حکیم نے لطیف پیرایہ میں لفظ علم للساعۃ سے مسیحؑ کی جسمانی آمد کے خیال والوں کی تردید کر دی ہے۔ اور کہہ دیا ہے کہ وہ تو دوبارہ نہ آئیں گے البتہ تم ہی مر کر وہاں جاؤ گے۔ تو کیا اِس قرآنی لطیفہ پر مولانا ناراض تو نہ ہوں گے؟

آیت بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کا صحیح مفہوم

مولانا نعمانی نے درست فرمایا ہے کہ "قرآن مجید میں ان دونوں گروہوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی گمراہیوں اور غلطیوں کو واضح کر کے اصل حقیقت کو بیان کیا گیا ہے" آیئے! اب دیکھیں کہ حضرت مسیحؑ کے رفع کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی کیا گمراہی تھی اور قرآن مجید نے اس کو کس طرح دُور کیا ہے؟۔

یہود کا یہ دعویٰ تھا کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ہم نے مسیح بن مریم کو جو مدعیٔ رسالت تھا قتل کر دیا ہے۔ اِس جگہ یہود کی طرف سے لفظ رسول اللہ لانے کا صرف یہ مدّعا ہے کہ یہود کے نزدیک مدعیٔ رسالت مسیح کا ان کے ہاتھوں صلیبی طور پر قتل ہو جانا اس کی رسالت کا مبطل تھا۔ ظاہر ہے کہ یہود کا یہ ادعا تورات کے اس بیان پر مبنی تھا جس میں لکھا ہے کہ جھوٹا مدعیٔ نبوت قتل کیا جائے گا۔ تورات کے الفاظ یہ ہیں:۔

(الف) "وہ نبی یا وہ خواب دیکھنے والا قتل کیا جائے گا" (استثناء $\frac{13}{6}$)

(ب) "وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے" (استثناء $\frac{21}{22}$)

یہودی اِس بنیاد پر مسیح علیہ السلام کے قتل کے مدعی بن کر انہیں (معاذ اللہ) جھوٹا اور ملعون قرار دینا چاہتے تھے۔ عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کی صلیبی موت کو مان کر کفارہ کے پردہ میں یہ اعتقاد اختیار کر لیا تھا کہ:۔

"مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس
نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت
سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی
لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے"
(گلتیوں ۳/۱۳)

گویا یہودی اور عیسائی ہر دو سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب و مقتول قرار دیکر لعنتی مانتے تھے (والعیاذ باللہ) یہودیوں اور عیسائیوں کی اس گمراہی کا ازالہ قرآن مجید نے مدلل طور پر دو طریق پر کیا ہے۔ **اوّل** قرآن مجید نے واقعاتی طور پر حضرت مسیح کے مقتول و مصلوب ہونے کی نفی کر کے اس بنیاد کو ہی درہم برہم کر دیا جس پر حضرت مسیح علیہ السلام کو ملعون ٹھہرانے کی عمارت تعمیر کی گئی تھی۔ **دوم** قرآن مجید نے حقائق کی روشنی میں حضرت مسیح کو ملعون کی بجائے **مرفوع** ثابت کر دیا۔ اس طرح سے عیسائیت اور یہودیت کے ناپاک اتہامات کی شرمناک عمارت دھڑام سے پیوند زمین ہو گئی۔

لعنت اور رفع کا مفہوم

ہم قرآن مجید کے دونوں حکیمانہ طریقوں کی تشریح کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ تحقیقی طور پر **لعنت** اور **رفع** دو متضاد مفہوم ہیں۔ عربی زبان کے ماہرین خوب جانتے ہیں کہ لغت کے رُو سے **لعنت** اور **رفع** ایک دوسرے کے مقابل پر استعمال ہوتے ہیں لعنت کے مفہوم میں "الطرد و **الابعاد**" شامل ہے یعنی دُور کر دینا اور دھتکارنا۔ (المفردات) اور رفع کے مفہوم میں "الاسعاد و **التقریب**" داخل ہے۔ یعنی **قریب** کرنا اور سعادت بخشنا (لسان العرب) حضرت امام ابن اثیر اپنی لغتِ حدیث کی مشہور کتاب **النہایۃ** میں لکھتے ہیں:۔

"فی اسماء اللہ تعالیٰ الرافع
ھو الذی یرفع المؤمنین
بالاسعاد و اولیاءہ بالتقریب"
کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام الرافع
ہے۔ وہی ہے جو مومنوں کو سعادت
بخش کر ان کا **رفع** کرتا ہے اور اولیاء
کو **مقرب** بنا کر انہیں **مرفوع** ٹھہراتا
ہے"

پس اللہ تعالیٰ کا **رافع** ہونا یہی معنے رکھتا ہے کہ وہ اولیاء و انبیاء کو اپنا مقرب بناتا ہے اور انہیں اپنے افضال و برکات سے نوازتا ہے۔ یقیناً یہ مفہوم خدا کی لعنت کے متضاد اور برعکس ہے

یہود کے ادعاء اور الزام کی نوعیت

سطورِ بالا کی روشنی میں ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ یہود نے جب حضرت مسیح کے متعلق اعلان کیا۔ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ کہ ہم نے رسول اللہ بننے والے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا ہے تو اُن کی مراد یہی تھی کہ ہم نے (معاذ اللہ) حضرت مسیح کو ملعون بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اِس جھوٹے الزام کی سزا یہ دی کہ اُن کے اس قول اور دعویٰ کی وجہ سے اُن پر لعنت ڈال دی۔ چونکہ سزا جُرم کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہودی درحقیقت حضرت مسیح کے عام قتل کے مدعی نہ تھے بلکہ صلیبی موت کے ذریعہ قتل کے مدعی تھے کہ حضرت مسیح کو ملعون ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں اُنہیں ملعون قرار دیدیا۔ اور اس کا اعلان قرآن مجید کی ان آیات میں کر دیا۔

قرآن مجید کے لطیف ترین اسلوب بیان کی تشریح

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کی گمراہی کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتا ہے :۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ
عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ
وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ
شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ
اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ
مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ
الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝
بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ
اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (نساء: ۱۵۷-۱۵۸)

ترجمہ :۔ "یہودی اپنے اس قول کی وجہ سے بھی ملعون ہوئے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ وہ اسے مقتول و مصلوب نہ بنا سکے تھے، ہاں وہ ان کی نظروں میں مقتول و مصلوب کے مشابہ ٹھہرایا گیا۔ جو لوگ اس کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ شک میں مبتلا ہیں انہیں کوئی یقینی علم نہیں وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ انہوں نے مسیح کو قطعی طور پر قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اس کا رفع فرمایا اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔"

کتنا لطیف اسلوب ہے اور کس قدر مدلل طریق پر یہود و نصاریٰ کی گمراہی کو انکشاف فرمایا ہے؟۔ قطعی اور یقینی طور پر اعلان کیا گیا کہ حضرت مسیحؑ صلیبی موت سے فوت ہی نہیں ہوئے۔ ان کے صلیب پر مرنے کا زعم سراسر باطل اور بے بنیاد ہے۔ اسلئے ان کے لعنتی ٹھہرانے کا سوال پیدا کرنا خود بخود غلط ہے۔ قرآن مجید کا یہ اعلان حضرت مسیحؑ کے حادثہ صلیب سے چھ سو سال بعد کا ہے مگر کتنا ٹھوس اور پختہ ہے۔ قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کو ایک شک اور وہم قرار دیا ہے۔ ہاں ان آیات میں اس طبعی سوال کا بھی جواب دیا گیا ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت نہ ہوئے تھے تو یہ دو باہم دشمن قومیں یہودی اور عیسائی، اس خیال پر کیونکر متفق ہو گئیں؟ قرآن مجید نے اسکے جواب میں ایک تو یہ فرمایا کہ ہر دو قومیں اس نظریہ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف نتیجے اخذ کر رہی ہیں۔ یہود حضرت مسیحؑ کو کاذب مدعی نبوت ثابت کرنے کیلئے صلیبی موت کا شکار گردانتے ہیں اور عیسائی انہیں ابن اللہ ٹھہرا کر کفارہ ماننے کے لئے صلیب پر مرنے والے بتلاتے ہیں۔ دوسری بات بطور استدراک قرآن مجید نے وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں بیان فرمائی۔ اس جگہ شُبِّهَ کا نائب فاعل حضرت مسیحؑ ہیں۔ مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ میں مقتول و مصلوب کا مفہوم موجود ہے اسلئے شُبِّهَ لَهُمْ کے معنے ہوں گے شُبِّهَ المسیح لھم بالمقتول والمصلوب۔ کہ واقعات ایسے ہوئے کہ حضرت مسیحؑ یہود و نصاریٰ کے خیال میں مصلوب کی مانند ہو گئے تھے مگر مَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ان لوگوں نے قطعی طور پر حضرت مسیحؑ کو قتل نہ کیا تھا۔

یہود کا دعویٰ اس بیان سے باطل قرار دیا گیا۔ عیسائیوں کی گمراہی کھل چکی۔ ان سب نے ایک وہمی بات پر بنیاد رکھ کر ایک اولوالعزم نبی کو لعنتی قرار دینے میں شدید ظلم کیا ہے۔ قرآن مجید نے اس واقعاتی تردید کے ساتھ خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت سے بھی یہود و نصاریٰ

کے مزعومہ خیال کو ردّ فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے :- بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ - کہ اس سے بھی بڑھ کر تردید یہود و نصاریٰ میں یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کا رفع فرمایا ہے - انہیں جلالت شان اور عظمت و قربت عطا فرمائی ہے - اگر وہ صلیب پر مرکر ملعون ہو گئے ہوتے تو انہیں یہ رفع کا مقام کیونکر حاصل ہوتا ؟ ان کا مرفوع الی اللہ ہونا اِس بات کی بیّن دلیل ہے کہ وہ صلیبی موت سے فوت ہو کر لعنتی نہیں بنے - خدا تعالیٰ کا ان سے یہ سلوک یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کو غلط ٹھہراتا ہے - آیت میں بَلْ للترقی ہے اور وہی رفع ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت الرافع کے مطابق ہے اور موقع کے لحاظ سے یہود و نصاریٰ کی گمراہی کو دُور کرنے والا ہے - اس کے لئے نہ جسمانی طور پر اٹھانے کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ آسمان کے لفظ کو بطور تکلّف داخل کرنے کی ضرورت ہے -

مولانا نعمانی کے چند شبہات

(۱) مولانا نعمانی لکھتے ہیں :-

"رفع روحانی اور رفع درجات ہرگز مقتول ہونے کے منافی نہیں - ہاں جسم کے ساتھ صحیح و سالم اٹھا لیا جانا بے شک مقتول ہونے کے منافی ہے - اسلئے آیت بل رفعه الله الیه کا مطلب یہی صحیح ہوگا کہ مسیح کو انکے دشمن قتل نہیں کر سکے - بلکہ اللہ نے صحیح و سالم ان کو اپنی طرف اٹھا لیا"

عرض ہے کہ یہود و نصاریٰ کے نزاع کو حل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بل رفعه الله الیه فرمایا ہے - یہود حضرت مسیح کے اسلئے منکر نہ تھے کہ ان کے نزدیک ان کا جسمانی رفع نہ ہوا تھا بلکہ وہ اسلئے منکر تھے کہ اُن کے نزدیک حضرت مسیح کا روحانی رفع نہ ہوا تھا - اگر انکار کی بنیاد عدم رفع جسمانی پر ہوتی تو وہ حضرت موسیٰؑ اور دیگر انبیاء کا بھی انکار کرتے - پس متعین ہو گیا کہ یہود حضرت عیسےٰؑ کے رفع روحانی کے انکار کے لئے مسیحؑ کی صلیبی موت کو دلیل گردانتے تھے - کیونکہ اُن کے مسلّمات کے رُو سے جو شخص صلیب پر مرتا ہے وہ ملعون ہوتا ہے اور مرفوع نہیں ہوتا -

ظاہر ہے کہ جب یہودیوں کے نزدیک مدعیٔ رسالت کی صلیبی موت اس کے رفع روحانی کے منافی تھی اور وہ اسی بناء پر حضرت مسیح کے رفع کے منکر تھے تو اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح کے مقتول و مصلوب ہونے کی نفی کرنا ان کے رفع کا مثبت ہے کیونکہ مدعیٔ رسالت کی اِس مزعومہ صلیبی موت اور رفع روحانی میں صریح منافات ہے - کم از کم یہودیوں کا یہی عقیدہ تھا جسے وہ تورات پر مبنی قرار دیتے تھے - قرآن مجید کی یہ آیات یہودیوں کی گمراہی کے دُور کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں اسلئے ان کی تفسیر کرتے وقت ان کے اعتقاد کو مدّنظر رکھنا ضروری ہے - ورنہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا سوال تو رفع رُوحانی کے بارے میں تھا اور آپ یونہی رفع جسمانی کی بحث شروع کر رہے ہیں - پس ثابت ہوا کہ اِس جگہ رفع روحانی ہی کے ذکر کی ضرورت تھی اسے ہی اللہ تعالیٰ نے ثابت فرمایا ہے - یہودی حضرت مسیحؑ کی صلیبی موت ثابت کرکے ان کے رفع روحانی کا انکار کر رہے تھے - پس یہ ثابت ہو گیا کہ جس قسم کے صلیبی قتل کے یہودی مدعی تھے وہ ان کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیحؑ کے رفع روحانی یا رفع درجات کے منافی تھا -

(۳) مولانا نعمانی "دوسری قطعی فیصلہ کن بات" بالفاظ ذیل تحریر کرتے ہیں:۔

"عیسائی عام طور سے عیسٰی علیہ السلام کے اٹھائے جانے کا عقیدہ رکھتے تھے اور آج بھی انجیلوں میں صراحتاً یہ عقیدہ موجود ہے۔ پھر بعض مقامات پر آسمان پر اٹھائے جانے کے الفاظ ہیں اور بعض جگہ صرف اوپر اٹھائے جانے کا ذکر ہے اور انجیل کے عربی ترجموں میں ان موقعوں پر رفع ہی کا لفظ ہے۔ اب اگر یہ مانا جائے کہ عیسٰی علیہ السلام کے مقتول و مصلوب ہونے کے عقیدہ کی طرح ان کے اٹھائے جانے کا عقیدہ بھی غلط اور مشرکانہ تھا تو قرآن مجید پر سخت الزام آئے گا کہ اس نے اس موقعہ پر اس عقیدہ کی بالکل تردید نہیں کی بلکہ غضب یہ کیا کہ بل رفعہ اللہ الیہ اور دوسری جگہ رافعک الیّ فرما کر عیسائیوں کے اس عقیدے پر گویا مہر تصدیق ثبت کر دی۔"

مولانا پر واضح رہنا چاہیئے کہ جہاں تک آسمان پر چڑھنے کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے اس مطالبہ پر کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان پر چڑھ جائیں یہ جواب دیا ہے قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل ع) کہ کہہ دو کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف بشر رسول ہوں"۔ اس سے یہ واضح ہے کہ حضرت مسیح بطور بشر رسول آسمان پر نہیں گئے اور نہ جا سکتے تھے۔ باقی رہا مولانا کا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے عقیدہ کی تردید کی بجائے لفظ رفع کے استعمال سے ان کی تصدیق کیوں فرمائی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عیسائی عقیدہ حضرت مسیح کی صلیبی موت کے معاً بعد جسم سمیت آسمان پر چڑھ جانے کا ہے کیونکہ وہ حضرت مسیح کو الٰہ مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ سے جو وعدہ فرمایا وہ یہ تھا۔ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ کہ میں تجھے طبعی موت سے وفات دوں گا اور پھر تیرا رفع کروں گا۔

قرآن پاک نے سورہ المائدہ کی آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ میں صاف فرمادیا ہے کہ جب عیسائیوں نے تثلیث کا عقیدہ ایجاد کیا اور مسیح اور مسیح کی والدہ کو خدا ٹھہرایا تو حضرت مسیح اس سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ گویا وعدہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ پورا ہو گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت الرافع کے مطابق جیسا کہ ہر نبی کی وفات کے بعد اس کا رفع کرتا رہا ہے حضرت مسیح کا بھی رفع فرمایا۔ پس قرآن مجید کا لفظ رفع عیسائیوں کے عقیدہ جسمانی صعود الی السماء کی تائید نہیں کرتا بلکہ ایک روحانی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔ اور اس لفظ کا استعمال اپنے اندر عظیم الشان حکمت رکھتا ہے کیونکہ اس سے یہود و نصاریٰ کی گمراہی کا ازالہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ اور امام ابن حزم کا مذہب

مناسب ہے کہ اس جگہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب اس بارے میں درج کر دیں۔ امام لغت حضرت راغب اصفہانی لکھتے ہیں:۔

"قال ابن عباس توفی موت لانہ اماتہ ثم احیاہ"۔

کہ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے لئے توفی کا لفظ موت کے معنوں میں آیا ہے، کیونکہ **اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دی تھی اور پھر** زندہ کیا تھا۔" (المفردات زیر لفظ وفی ص۵۲۵ مطبوعہ مصر)

اسی طرح حضرت امام حزم بھی وفاتِ مسیح کے قائل تھے، وہ لکھتے ہیں:۔

"انّ عیسیٰ علیہ السلام لم یقتل ولم یصلب ولکن توفاہ اللہ عزّ وجلّ ثمّ رفعہ الیہ۔ وقال عزّ وجلّ وما قتلوہ وما صلبوہ وقال تعالیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ وقال تعالیٰ عنہ انّہ قال وکنتُ علیہم شہیداً ما دُمتُ فیہم فلمّا توفیتنی کنتَ انت الرقیب علیہم وانت علیٰ کلّ شیٔ شہید۔ وقال تعالیٰ اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فالوفاۃ قسمان نوم وموت فقط ولم یرد عیسیٰ علیہ السلام بقولہ فلمّا توفیتنی وفاۃ النوم فصح انّہ انّما عنی وفاۃ الموت۔"

(المحلّٰی لابن حزم جلد ۱ ص۲۳ مطبوعہ مصر)

گویا ساری آیات کو مدّنظر رکھ کر وہ وفاتِ مسیحؑ کے قائل تھے۔

مولانا سلیمان صاحب ندوی نے بھی لکھا ہے:۔

"ابن حزم وفاتِ مسیحؑ کے قائل تھے ساتھ ہی نزول کے بھی۔"

(مجموعہ مکاتیب اقبال جلد ۱ ص۱۹۶ حاشیہ)

اِن دو جلیل القدر اماموں کے علاوہ سلف صالحین کی ایک کثیر جماعت کا بھی یہی مذہب تھا۔ علامہ فرید وجدی نے **"دائرۃ المعارف"** (اسلامی انسائیکلوپیڈیا) جلد ۲ ص۴۲۸ پر صاف لکھا ہے:۔

"وقال آخرون بل توفاہ اللہ کما یتوفی الناس ثمّ رفع الیہ روحہ بدلیل قولہ تعالیٰ اِنّی مُتَوَفِّیکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ۔"

ترجمہ:۔ دوسرے محققین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اسی طرح وفات دی تھی جس طرح وہ اور لوگوں کی توفّی کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی رُوح کو اپنی طرف اٹھایا جس پر اللہ تعالیٰ کا قول اِنّی متوفیک ورافعک الیّ دلیل ہے۔"

ہمیں خطرہ ہے کہ مولانا نعمانی اپنے زورِ قلم سے ان تمام ائمہ اور مفسرین کو بھی "قلب کے مریض" قرار نہ دے دیں۔

اس بیان سے عیاں ہے کہ اہلِ عربیت اور رئیس المفسرین آیت اِنّی متوفیک ورافعک الیّ سے حضرت مسیحؑ کی **وفات** اور پھر ان کی روح کا رفع مراد لیتے تھے۔ انہوں نے عیسائیوں کے عقیدہ کی اتباع کر کے اور اس سے متأثر ہو کر وہ معنے ہرگز نہیں کئے جو آج مولانا نعمانی کر رہے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ مولانا اسے ایک "قطعی فیصلہ کن بات" کہہ رہے ہیں۔

(۳) مولانا نعمانی لکھتے ہیں:۔

"ایک دوسری آیت واذ کففتُ

بنی اسرائیل عنك (مائدہ) میں
یہ بھی بتلا دیا کہ اللہ نے ان کو ایسا بچایا کہ
ان کے دشمن ان کو ہاتھ بھی نہ لگا سکے۔"

حیرت ہے کہ جب انسان ایک غلط عقیدہ اختیار کرلے تو کس طرح غلط تاویلات کا سہارا لیتا ہے۔ آیت وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ کے صاف معنے یہ ہیں کہ بنی اسرائیل تجھے قتل نہ کرسکے میں نے تجھے قتل ہونے سے بچالیا۔ مگر تجوبہ پرستی کا جذبہ تشنہ رہتا ہے جب تک یہ نہ کہا جائے کہ "وہ تجھے ہاتھ بھی نہ لگا سکے"۔ کفہ عن الامر کے معنے لغت میں "صَرَفَهٗ و مَنَعَهٗ" ہیں، اسی لئے الشیخ محمد عبدہ نے آیت زیر نظر کے معنے یہ کئے ہیں فلما مکنهم من قتلك وصلبك۔ کہ میں نے انہیں تجھے قتل کرنے اور مصلوب کرنے کا موقع نہ دیا۔ (تفسیر المنار جلد ۷ صفحہ ۲۴۱)

اللہ تعالیٰ حدیبیہ کے واقعہ کے سلسلہ میں فرماتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا۝ (الفتح : ۲۴) کہ اللہ ہی نے کافروں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے وادی مکہ میں روکے رکھے بعد اس کے کہ اس نے تم کو ان پر کامیاب کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے :۔ فان ثمانین منهم طافوا بعسكركم ليصيبوا منكم فاخذوا واتی بهم الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فعفا عنهم وخلّی سبیلهم فکان ذلك سبب الصلح"

ترجمہ :۔ کفار کے اسّی آدمی تمہارے لشکر کے گرد گھومتے تھے تا تم پر حملہ کرکے نقصان پہنچائیں لیکن وہ گرفتار کر لئے گئے اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ حضورؐ نے انہیں معاف فرمایا اور رہا کر دیا۔ یہ واقعہ مسلمانوں اور کفار میں صلح کا موجب بن گیا۔" (تفسیر جلالین جلد ۲ صفحہ ۱۸۳)

اب دیکھئے یہ لوگ پکڑ کر حضور علیہ السلام کے پاس لائے گئے۔ حضورؐ نے ان کو رہا فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو کفّ ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ پس آیت واذ کففتُ بنی اسرائیل عنك سے یہ استدلال کرنا کہ حضرت مسیحؑ کو یہود ہاتھ تک نہ لگا سکے درست نہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ یہود حضرت مسیحؑ کے قتل پر قادر نہ ہو سکے۔

(۴) "صدق جدید" کے مراسلہ نگار نے لکھا تھا :۔

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو زمین میں
مدفون ہوں اور حضرت عیسیٰؑ آسمان پر
رہیں یہ بھی ایک تکلیف دہ مسئلہ ہے۔"

اس خالص مومنانہ جذبہ کی قدردانی مولانا نعمانی ان الفاظ سے فرماتے ہیں :۔

"کس قدر عامیانہ بات ہے! آخر فرشتے
آسمانوں پر ہیں۔ ستارے اوپر ہیں۔ زمین پر
چلنے پھرنے والے لوگ بھی دفن شدہ اموات کی
بہ نسبت تو اوپر ہی ہیں تو کیا ان سب کا اوپر ہونا
بھی تکلیف دہ ہے؟"

سبحان اللہ! کیا جواب ہے اور کس قدر صحیح موازنہ ہے۔ سوال دو نبیوں کے باہمی تقابل کا ہے جواب میں فرشتوں ستاروں اور زمین پر چلنے والوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ سچ ہے "سوال از آسمان جواب از ریسمان"۔ مسلمانوں کیلئے غیرت کا سوال ہے کہ عیسائی پادری مولویوں کے عقیدہ سے مسیحؑ کی سید ولد آدم حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ثابت کرتے ہیں مگر مولانا نعمانی کہتے ہیں کہ یہ آپ کیلئے کیوں "تکلیف دہ مسئلہ"

ہے کسی بزرگ نے خوب فرمایا ہے ؎

غیرت کی جا ہے عیسیٰ زندہ ہو آسماں پر
مدفون ہو زمیں میں شاہِ جہاں ہمارا

آخری گزارش

مولانا نعمانی کے شبہات کے ازالہ کے بعد یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت مسیح از روئے قرآن مجید وفات پا چکے ہیں۔ قرآن مجید نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بلحاظ ایک بشر، بلحاظ ایک نبی اور پھر بقول نصاریٰ بلحاظ الٰہ ہر حیثیت سے وفات یافتہ قرار دیا ہے۔ فرمایا وما جعلنا لبشرٍ من قبلك الخلد افإن متّ فهم الخالدون کہ اے نبی! تجھ سے پہلے کوئی ایسا بشر نہیں کہ تُو تو فوت ہو جائے اور وہ زندہ ہو۔ پھر فرمایا وما محمدٌ الّا رسول قد خلت من قبله الرسل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے جملہ رسول وفات پا چکے ہیں۔ پھر فرمایا والّذین یدعون من دون الله لا یخلقون شیئًا وهم یُخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایّان یبعثون کہ جن کو مشرکین نصاریٰ وغیرہم خدا بناتے ہیں وہ خالق نہیں مخلوق ہیں۔ زندہ نہیں مُردہ ہیں وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔"

ایسی ہی تیس آیاتِ قرآنیہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت ہے۔ پس ہم اپنے مسلمان کہلانے والے بھائیوں سے چاہتے ہیں کہ وہ حضرت مسیح کی وفات کا اقرار کریں اور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی دائمی روحانی زندگی اور آپ کے ابدی فیوض و برکات کا اعلان کریں۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین ۔

شذرات

بیروت (لبنان) کے پروفیسر احمد العجوز کی وفاتِ مسیحؑ پر تازہ شہادت

ہمارے لبنان کے مبلغ جناب شیخ نور احمد صاحب منیر سے دورانِ گفتگو جناب پروفیسر احمد العجوز نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا اقرار کیا اور دستخطی تحریر لکھ دی جس کا عکس درج ذیل ہے ۔

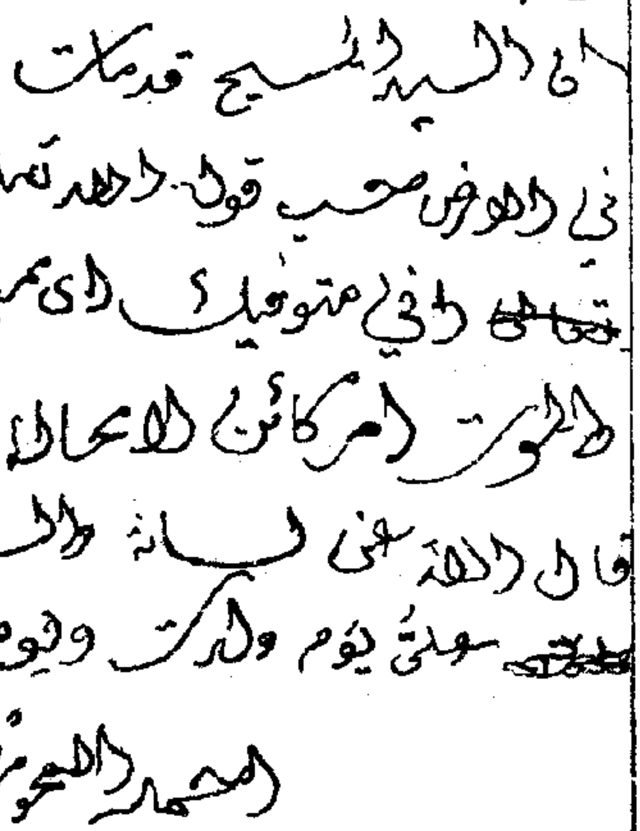

ان السيد المسيح قد مات في الارض حسب قول الله تعالى اني متوفيك اي مميتك الموت امر كائن لا محالة اذ قال الله على لسانه والسلام علي يوم ولدت ويوم اموت
احمد العجوز

"ان السيد المسيح قد مات في الارض حسب قول الله تعالىٰ انّي متوفيك اي مميتك والموت امر كائن لا محالة اذ قال الله عن لسانه والسلام علىّ يوم ولدت ويوم اموت۔ احمد العجوز"

ترجمہ: "یقیناً حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے قول اِنّی متوفّیک کے مطابق زمین میں وفات پا گئے۔ ان کی موت ایک یقینی بات ہے [۲]

[۲] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان سے کہلوایا تھا کہ مجھ پر سلامتی ہے جب میں پیدا ہوا اور جب میں مروں گا۔ متوفّیک کے معنے ممیتک کے ہیں" ۔

دفتر مرکزیہ انصار اللہ کی تکمیل کے لئے مخلصین جماعت کو آواز

انصار اللہ کی جماعتیں ہر فرد سے چندہ تعمیر وصول کر کے فوری طور پر مرکز میں بھجوائیں

لاکھوں کی جماعت میں سے ہمیں صرف دو سو ایسے مخیر دوستوں کی ضرورت ہے،

جو

ایک ایک سو روپیہ بطور عطیہ دینے کے لئے تیار ہوں!

(از حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے (آکسن) صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دفتر کا سنگ بنیاد ۲۰ر فروری کو یوم مصلح موعود کی مبارک تقریب پر سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے مقدس ہاتھوں سے ربوہ کی سرزمین میں رکھ دیا گیا ہے۔ یہ پہلا مبارک قدم ہے جو انصار اللہ کے سرگرم اراکین نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی نصرت و تائید پر کامل یقین رکھتے ہوئے اس کے حضور عاجزانہ دعاؤں اور التجاؤں کے ساتھ اٹھایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انصار اللہ جو اپنے عزائم کی پختگی اور اپنے ارادوں کی بلندی میں نوجوانوں کے راہنما اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک آدم کی حیثیت رکھتے ہیں اپنی پوری توجہ کے ساتھ اس عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہر قسم کی قربانی سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھیں گے اور اپنی فعّال حیثیت کا ایک نمایاں ثبوت لوگوں کے سامنے پیش کر دیں گے۔

مجلس انصار اللہ کے گزشتہ سالانہ اجتماع میں تمام نمائندگان نے متفقہ مشورہ کے ساتھ دفتر کی عمارت کو مکمل کرنے کے لئے ایک روپیہ چندہ ہر ممبر کے لئے لازمی قرار دیا تھا۔ تمام مجالس ہائے انصار اللہ کا اوّلین فرض ہے کہ وہ اس چندہ کی ادائیگی میں بغیر کسی پس و پیش کے فوری طور پر حصہ لیں۔ اور ایک مہینہ کے اندر اندر اپنے ہر فرد سے اس چندہ کو وصول کر کے دفتر مرکزیہ کو اطلاع دیں۔ مگر ظاہر ہے کہ ایک ایک روپیہ سے اس عمارت کے اخراجات پورے نہیں ہو سکتے۔ اور اگر اس قلیل رقم پر اکتفا کی جائے تو یہ عمارت کہیں برسوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچے گی۔ اور اتنی مدت تک انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ سو اس کے لئے میں دو سو ایسے مخلصین کو پکارتا ہوں جو اس عمارت کی تکمیل کیلئے صرف ایک ایک سو روپیہ بطور عطیہ پیش کریں۔ اور بغیر کسی التوا کے فوری طور پر پیش کریں۔

مغربی پاکستان میں اس وقت دس ڈویژن ہیں اور ہر ڈویژن متعدد اضلاع پر مشتمل ہے۔ اگر ہر ڈویژن میں سے بیس ایسے فدائی کھڑے ہو جائیں جو ایک ایک سَو روپیہ دینے کے لئے تیار ہوں تو چند دنوں میں ہی یہ رقم بڑی آسانی کے ساتھ پوری ہو سکتی ہے۔ میں پشاور۔ راولپنڈی۔ جہلم۔ گجرات۔ لاہور۔ شیخوپورہ۔ سیالکوٹ۔ ملتان۔ منٹگمری۔ لائل پور۔ حیدرآباد۔ کوئٹہ اور کراچی کے انصار اللہ کو خصوصیت کے ساتھ مخاطب کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ میری اس آواز پر اپنی شاندار روایات کے مطابق لبیک کہیں گے اور اس عمارت کو اتنی سرعت کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں گے کہ دوسروں کے لئے ان کا یہ نمونہ مشعلِ راہ کی حیثیت رکھے گا۔

یاد رکھیں کہ زمانہ بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کی طرف گامزن ہے۔ اس دَوڑ میں سُست گام کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ زندہ جماعتوں کے افراد اپنی قومی خصوصیات کو برقرار رکھنے کے لئے انتہائی جدّوجہد سے کام لیا کرتے ہیں۔ آخر اپنے منتہیٰ کو حاصل کر کے رہتے ہیں۔ انصار اللہ کا مرکزی دفتر تمام انصار اللہ کے لئے ایک دماغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح انسانی جسم اس وقت تک مفید اور کارآمد کام کر سکتا ہے جب تک اس کا دماغ کے ساتھ اتصال رہتا ہے۔ اسی طرح انصار اللہ بھی عملی رنگ میں اس وقت تک ایک زندہ اور کارآمد وجود رہیں گے جب تک ان کا اپنے مرکز کے ساتھ تعلق رہے گا۔

پس مرکزی دفتر کی عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا خود انصار اللہ کے قیام کے لئے بھی ضروری ہے۔ یہ درست ہے کہ ہم نے گذشتہ عرصہ میں اپنے وقت کا کچھ ضیاع بھی کیا ہے۔ اور ہم نے اپنے قیمتی اوقات سے صحیح رنگ میں فائدہ نہیں اٹھایا۔ مگر بیداری کا تقاضا ہے کہ اب ہم اپنے قدم کو ایسا تیز تر کر دیں کہ نہ صرف گذشتہ کوتاہیوں کا پورے طور پر ازالہ ہو جائے۔ بلکہ آئندہ قومی دوڑ میں انصار اللہ کی جدّوجہد ایک امتیازی رنگ حاصل کر لے۔

میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ کون سے مخلص دوست ہیں جو اس غرض کے لئے صرف ایک ایک سَو روپیہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ میں ایسے مخلصین کو آواز دیتا ہوں۔ میں ہی نہیں انصار اللہ کا دفتر مرکز ربوہ سے انہیں آواز دے رہا ہے کہ آؤ اور میری بنیادوں کو اونچا کرو۔ آؤ اور مجھے اپنے ہمعصروں میں سرخرو ہونے کا موقع دو۔ اے ابراہیم ثانی کے پرندو! تمہارا نشیمن تیار ہو رہا ہے۔ اس نشیمن کے لئے تنکے مہیا کرنا تمہارا کام ہے۔ تمہیں خدا نے قربانی اور ایثار کی دولت سے نوازا ہے۔ تمہیں اس نے اپنے لازوال حسن سے حصہ دیا ہے۔ تمہیں اس نے روحانی جلال اور جمال عطا کیا ہے۔ تم دُنیا کی نگاہوں میں حقیر ہو لیکن خدائے قادر و برتر کی نگاہ میں تم بادشاہوں سے بھی زیادہ معزز ہو۔ مَیں تم سے ایک حقیر قربانی کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ مَیں تمہارے جواب کا منتظر ہوں۔ کہ تم میری اس آواز کا کب جواب دوگے ؟ ✦

گورو گرنتھ صاحب کا تعارف

(از جناب عباد اللہ صاحب گیانی)

(۳)

گورو گرنتھ صاحب کا احترام

سکھوں میں گورو گرنتھ صاحب کا احترام خاص اہتمام سے کیا جاتا ہے۔ گیانی دت سنگھ جی نے اِس سلسلہ میں یہ بیان کیا ہے کہ:-

"پنتھ کی طرف سے گورو صاحب کے حکم کے مطابق سری گورو گرنتھ پر چَوَر جھول رہا ہے۔" (ترجمہ از گورمت آرتی پربودھ صلا)

خالصہ دھرم شاستر میں مرقوم ہے:-

"سری گورو گرنتھ صاحب کی سواری آتی ہو تو تمام نانک پنتھیوں کو راستہ میں اور دیوان میں ہاتھ جوڑ کر بڑی عاجزی سے سجدہ کرنا چاہیئے۔ سواری کے ساتھ شبد پڑھتے جائیں۔ گورو گرنتھ صاحب کے سامنے چارپائی، چوکی، کرسی وغیرہ پر کوئی نہ بیٹھے۔ نہ سر ننگا کر کے قریب جائے نہ دیوان میں بیٹھے۔ پاؤں نہ کرے، سجدہ کر کے بیٹھے اور سجدہ کر کے اُٹھے۔"

(ترجمہ از خالصہ دھرم شاستر صفحہ ۳۶)

ایک اور صاحب نے لکھا ہے کہ:-

"گورو گرنتھ صاحب کے استھان پر جانے سے اگر گرنتھ صاحب کا پرکاش نہ ہو رہا ہو۔ تو تخت، پلنگ، چارپائی کے آگے سجدہ کرنا اور جس کمرہ میں مہاراج رکھے ہوئے ہوں اس کے آگے سجدہ کرنے کی بھی رسم ہے۔"

(ترجمہ از خالصہ سدھار تر و ص ۲-۵)

سردار جی ڈی سنگھ کا بیان ہے:-

"اس سے (یعنی گرنتھ کے مرتب ہونے سے) قبل گورو صاحبان کی چارپائی کے آگے سجدے کئے جاتے تھے۔ مگر اب گرنتھ صاحب کے آگے جو چارپائی پر رکھا رہتا تھا سجدے کئے جاتے ہیں۔"

(ترجمہ از پراچین بیڑاں ص ۹۱)

لیکن اس کے برعکس سردار گوربخش سنگھ جی ٹریکٹ "گورو کون ہے" ص ۲۲ سے ص ۲۳ تک بیان کرتے ہیں:-

"کیا ہم گورو گرنتھ صاحب کا ادب کرتے ہیں؟ بھائیو! کبھی بھی نہیں۔ ادب واحترام بانی کا کرنا ہے نہ کہ کاغذ سیاہی گتہ و چارپائی وغیرہ کا۔ اس لئے اگر ہم فی الحقیقت گورو گرنتھ صاحب کا احترام کرتے ہیں تو گوربانی پر عمل کریں۔ گوربانی پر عمل کرنا ہی گورو گرنتھ صاحب کا احترام ہے . . . . ستگورو تسلیم کر کے بُت پرستوں کی طرح اس کی پرستش کرنا، گھڑی گھڑی سجدے کرنا، کڑاہ پرشاد کا بھوگ لگانا

آرتی کرنا، دھوپ دینا پاکھنڈ کرم ہیں۔"
(منقول از گورمت درپن صفحہ ۵)

یاد رہے کہ بعض سکھوں کے نزدیک گورو گرنتھ صاحب کے آگے آرتی کرنا اور کیسر وغیرہ لگانا بہت ضروری رسومات ہیں۔ (ملاحظہ ہو خالصہ سدھار ترو مٹ ۳ صفحہ ۹ و صفحہ ۲۵)

پروفیسر شیر سنگھ جی ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی بیان کرتے ہیں :-

"گورو گرنتھ صاحب کا احترام
ان پڑھ سکھوں میں بت پرستی کی شکل اختیار
کر رہا ہے۔" (ترجمہ از گورمت درشن صفحہ ۱۰)

بھائی اوتار سنگھ جی لکھتے ہیں کہ :-

"آجکل کئی لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو
گورو گرنتھ صاحب کا ادب و احترام
بت پرستی کے مترادف خیال کرتے ہیں۔
نیز انہوں نے گرنتھ صاحب کو سجدہ کرنا
بھی ترک کر دیا ہے۔"
(ترجمہ از خالصہ سدھار ترو مٹ ۳ صفحہ)

ان حوالجات کا خلاصہ یہ ہے کہ گورو گرنتھ صاحب کے ادب اور احترام کے متعلق بھی سکھوں کے مختلف نظریے ہیں۔ بعض کے نزدیک گورو گرنتھ صاحب کا احترام تو یہ ہے کہ اس کے آگے سجدے کئے جائیں۔ جس کمرہ میں ہو اُس کمرہ کی بھی پوجا کی جائے لیکن بعض ان سب باتوں کو بت پرستی کے مترادف خیال کر کے ترک کر چکے ہیں۔ ان کے نزدیک گورو گرنتھ صاحب کا ادب اور احترام یہ ہے کہ اس کی تعلیم پر عمل کیا جائے اور اپنی زندگی اس کے بیان کردہ سانچے میں ڈھالی جائے۔

گورو گرنتھ صاحب کی بانی

گورو گرنتھ صاحب کی بانی کے بارہ میں بھی سکھوں کے مختلف خیالات ہیں۔ بعض کے نزدیک تو گورو گرنتھ صاحب کی ہر ایک سطر میں دس گورو صاحبان کی روح بول رہی ہے۔ چنانچہ بھائی پرتاپ سنگھ جی رقم فرماتے ہیں :-

"گورو گرنتھ صاحب کی ہر ایک سطر میں
دس گورو صاحبان کی روح بول رہی ہے۔"
(ترجمہ از گورمت سدھانت منشی شائع کردہ شرومنی کمیٹی)

پنڈت تارا سنگھ جی نروتم بھگت بانی کے متعلق فرماتے ہیں :-

"بانی میں بھگتوں اور گوروؤں کی بانی کا
ملا جلا ہونا گوروؤں اور بھگتوں کی بانی کی
برابری کی دلیل ہے۔"
(ترجمہ از گورمت نرنے ساگر صفحہ ۴)

لیکن اسکے برعکس سکھوں میں ایسے لوگ بھی بکثرت موجود ہیں جن کے نزدیک گورو گرنتھ صاحب میں درج شدہ تمام بانی یکساں نہیں ہے وہ سکھ گورو صاحبان اور بھگتوں کے کلام میں تفریق کرتے ہیں۔ چنانچہ بھائی اوتار سنگھ جی کا بیان ہے :-

"آجکل کے سکھ گورو گرنتھ صاحب کی تمام بانی کو
یکساں نہیں سمجھتے۔ گورو صاحبان کی بانی کے مقابل میں
بھگتوں کی بانی کو ادنیٰ خیال کرتے ہیں۔۔۔۔ملاحظہ ہو
سری گورمت پربھاکر نام کی کتاب جس کے مصنف نے
گورو صاحبان کی بانی کے ساتھ بھگتوں کی بانی کو
درج نہیں کیا۔" (ترجمہ از خالصہ سدھار ترو مٹ ۳ صفحہ)

اسمیں کوئی شک نہیں کہ سردار بہادر کاہن سنگھ جی نابھ نے بھگت بانی کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے (ملاحظہ ہو گورمت پربھاکر مصنفہ سردار بہادر کاہن سنگھ جی نابھ)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سکھوں میں ایک طبقہ ایسا بھی موجود ہے جس کے نزدیک گورو گرنتھ صاحب میں درج شدہ تمام بانی کی ایک پوزیشن نہیں۔ انکی طرف سے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ خود گرنتھ صاحب میں "بھگت بانی" کے شروع میں "بھگت بانی" کا ہیڈنگ دیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ گوردوار جن [illegible]

[illegible] (باقی)

بنی اسرائیل کے دس گم شدہ قبائل کی تلاش میں

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی ہندوستان میں آمد

(جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائلپوری کے قلم سے)

جب حضرت مسیح ناصری علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اہلِ یہود صحف سماوی کی پیشگوئیوں کی رُو سے یہ سمجھتے تھے کہ آنیوالے مسیح نے نسلِ داوٗد کے ایک شہنشاہ کی صورت میں ظاہر ہونا ہے۔ وہ بڑی طاقت اور عظیم لشکر جمع کرے گا اور یہود کو غیر قوموں کی حکومت سے خلاصی بخشے گا۔ اور اس کے ذریعہ بنی اسرائیل کے دس گم شدہ قبائل بحال ہوں گے اور وہ پھر اپنے وطن میں واپس لوٹیں گے۔ مسٹر ای۔ اے۔ گارڈنر۔ ایم۔ اے اپنی کتاب "The Life & Teaching of Christ" میں یہود کی ان تمناؤں کے متعلق مندرجہ ذیل نوٹ دیتے ہیں:-

"آنے والے مسیح کی بادشاہت کے متعلق یہود اس نظریہ کے حامل تھے۔ کہ آنے والا موعود نسلِ داوٗد کا ایک شہزادہ ہوگا۔ اس کی آمد سے پہلے ایلیا نبی کا ظہور ہوگا۔ مسیح آکر غیر قوموں کے تسلط سے نجات دیگا۔ اور قوم یہوؔ کی آزادی اور خود مختاری کو بحال کر دیگا بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل واپس لوٹیں گے اور آخرکار قومی بحالی اور سربلندی کے سنہری دَور کا آغاز ہوگا۔" (صـ)

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے آکر یہود کے ان تصورات کے برعکس یہ بتایا کہ صحف سماوی کی پیشگوئیاں برحق ہیں۔ لیکن آسمانی کتابوں کے محاورے نہ سمجھنے کے باعث ظاہر پرست لوگوں کو ہمیشہ ٹھوکر لگی جس پر خدا تعالیٰ کے نبیوں کو کہنا پڑا:-

"تم کانوں سے سنو گے مگر سمجھو گے نہیں
اور آنکھوں سے مشاہدہ کرو گے پر دریافت
نہ کرو گے"

میری قوم کو بھی یہی ٹھوکر لگی۔ انہوں نے صحف سماوی کی پیشگوئیوں کو ظاہر پر محمول کیا۔ اُن کی تمنائیں بر نہ آئیں۔ اور وہ ایک صادق انسان کو رد کر کے مغضوب قوم بن گئے۔ حضرت مسیح ناصریؑ نے صحفِ سماوی کی پیشگوئیوں کی اصل حقیقت بیان کی اور فرمایا کہ:-

۱۔"مسیح کی بادشاہت سے مراد آسمانی بادشاہت ہے نہ کہ دنیوی بادشاہت"

(یوحنا $\frac{۱۸}{۳۶}$)

۲۔ایلیا کی آسمانی آمد سے مراد اسکے مثیل کی آمد ہے جو یوحنّا کے وجود میں ظاہر ہو چکی [illegible] کہ ایلیا کا

بجسدِ عنصری آسمان سے نزول"

۳۔ بنی اسرائیل کی مخلصی سے مراد ان کی روحانی اصلاح ہے نہ کہ غیر قوموں کے مقابلہ اور جہاد بالسیف کے ذریعہ بنی اسرائیل کا سیاسی تسلّط۔

۴۔ بنی اسرائیل کے دس گم شدہ قبائل کی واپسی سے مراد یہ ہے کہ مجھے یہاں سے ہجرت کر کے ان قوموں کی تلاش میں اُن کے پاس جانا ہوگا۔ وہ آسمانی آواز کی شنوا ہوں گی۔ اور مجھ پر ایمان لا کر برکات حاصل کریں گی۔ اور یوں اُن کی روحانی بحالی ہوگی۔

(یوحنا $\frac{۱۰}{۱۶ تا ۱۴}$)

یہ مراد نہیں کہ وہ قومیں میرے زمانہ میں اپنے وطن میں بحال ہو جائیں گی۔

میرا آرٹیکل کا مضمون شق چہارم سے تعلق رکھتا ہے۔

آیئے! ہم دیکھیں کہ یہود میں یہ تصور کس طرح پیدا ہوا۔ کہ آنے والا موعود بنی اسرائیل کے دس گم شدہ قبائل کو ملک کنعان میں بحال کرے گا۔ حضرت عزدانبی کے مکاشفات میں ہمیں اس سوال کا جواب مل جاتا ہے۔ یہ مکاشفات یہود کے اس تصور کی اساس ہیں۔

حضرت عزدانبی کے مکاشفات میں لکھا ہے کہ آنیوالے موعود کے پاس اُن بنی اسرائیل کا پُرامن گروہ جمع ہوگا۔ جو آشوری بادشاہوں کے ذریعہ جلا وطن کر دیئے گئے۔ اور مختلف ملکوں میں ہوتے ہوئے بالآخر وہ سرزمین اُرسارۃ (شمال مغربی ہندوستان کے علاقہ) میں بس گئے۔ کشف چونکہ تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ یہود اپنی ظاہر پرستی کے باعث یہ سمجھے کہ چونکہ مسیح نے یروشلم میں سریر آرائے حکومت ہونا ہے اسلئے گم شدہ اسباطِ عشرہ بھی یروشلم میں آ جائیں گے۔ حالانکہ اس کا مطلب صرف اتنا تھا کہ حضرت مسیح کو ان قبائل میں جانا ہوگا۔ اور وہ لوگ اس روحانی مرکز کے اردگرد جمع ہوں گے اور اُن کی روحانی بحالی ہوگی۔ حضرت مسیح ناصریؑ نے ان پیشگوئیوں کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اب عزدانبی کا کشف اور حضرت مسیح ناصریؑ کی وضاحت درج ذیل ہے۔

عزدانبی کا مکاشفہ

حضرت عزدانبی کو ایک کشف میں بتایا گیا۔ کہ آنے والے موعود کے زمانہ میں دو گروہ ہوں گے۔ ایک گروہ اس کی تکذیب و انکار کرے گا اور اس سے برسرپیکار ہوگا۔ یہ گروہ مامور خدا کی روحانی تاثیرات کے ذریعہ طاعون، جنگ اور مختلف عذابات میں تباہ و برباد ہو جائے گا۔ دوسرا عظیم گروہ ایسے لوگوں کا ہوگا۔ جو کہ پُرامن ہوں گے۔ یہ گروہ مسیح کے افاضۂ روحانی سے فیضیاب ہوگا۔ اس دوسرے گروہ کے متعلق کشف کی تعبیر کے سلسلہ میں لکھا ہے:۔

"اے عزدا جیسے کہ تم نے کشف میں دیکھا کہ آنے والے موعود نے ایک اور گروہ کو جو کہ پُرامن تھا اپنے اردگرد جمع کیا۔ سو اس کی تعبیر یہ ہے کہ یہ گروہ وہ دس اسرائیلی قبائل ہیں جو کہ ہوسیا بادشاہ کے زمانہ میں اپنی سرزمین سے نکالے گئے جنہیں آشوری بادشاہ سالمانزر غلام بنا کر لے گیا تھا۔ اس نے اُن کو دریا کے پار ایک دوسری سرزمین میں لیجا کر بسا دیا۔ بنی اسرائیل کے ان دس قبائل نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ غیر قوم کے ملک کو چھوڑ کر وہ کسی اگلے ملک میں چلے جائیں۔

ایسی جگہ جو کہ انسانی آبادی سے خالی ہو۔ تاکہ وہ اپنی اُن روایات کو قائم رکھ سکیں جنہیں وہ اپنے وطن میں وہاں سے نکل آنے کے باعث قائم نہ رکھ سکے۔

اس فیصلے کے بعد یہ قبائل عازمِ سفر ہوئے اور دریائے فرات کے تنگ راستوں سے گذرے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اُن کے لئے دریا کی روانی کو کم کر دیا حتیٰ کہ وہ دریا پار کر گئے۔ یہاں سے گذر کر منزلِ مقصود کی طرف ایک بڑا راستہ جاتا تھا۔ اس راستہ پر گامزن ہو کر ڈیڑھ سال کے سفر کے بعد وہ سرزمین "ارسارۃ" میں پہنچے (جو کہ شمال مغربی ہندوستان کے ایک علاقہ کا قدیم نام تھا) جہاں کہ وہ بس گئے۔ وہاں وہ عرصہ دراز تک قیام پذیر رہیں گے اور جب وہ دوبارہ واپس آئیں گے تو خدا تعالیٰ دریا کی روانی کو پھر آہستہ کر دے گا۔ تاکہ وہ اس میں سے گذر سکیں۔ یہی وہ گروہ ہے جسے تم نے کشف میں دیکھا کہ وہ آنے والے موعود کے اردگرد پُرامن طور پر جمع ہوا۔ (II. Esdras chapter XIII)

حضرت عزرا نبی کے ان کشوف کو چونکہ سینکڑوں سال کے بعد جمع کیا گیا۔ اسلئے ان کی تعبیر میں یہود کے اپنے تصورات داخل ہو گئے۔ یہود یہ یقین رکھتے تھے کہ مسیح یروشلم میں برسرِ حکومت ہوگا۔ اس کی حکومت ابدی ہوگی۔ لہذا بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل کی واپسی سے مراد ان کی فلسطین میں واپسی ہے۔ چنانچہ اس کشف کے آخر میں یہی لکھ دیا گیا۔ یہ کشوف عہدِ عتیق کے اس حصہ میں ملتے ہیں جسے "اپاکرفا" کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو بائیبل کے مجموعہ میں شامل نہیں کیا گیا۔ محققین کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ ان کشوف میں الہٰی عنصر بھی شامل ہے اور بعض تصورات جو کہ یہود سے خاص تھے دخیل ہو گئے۔

حضرت عزرا نبی کا کشف درحقیقت بتاتا تھا کہ مسیح کی مخالفت کرنے والا ایک گروہ تباہ و برباد ہو جائے گا اور دوسرا گروہ آپ پر ایمان لا کر اپنے اس روحانی مرکز کے اردگرد جمع ہوگا۔ گویا وہ دوبارہ بحال ہو جائے گا۔ یہ دوسرا گروہ قدیم ہندوستان کے شمال مغرب میں بسنے والے بنی اسرائیل کے دس فرقے تھے جن کے لئے یہ مقدر تھا کہ وہ حضرت مسیح ناصریؑ پر ایمان لا کر کھوئی ہوئی روحانی زندگی دوبارہ حاصل کریں۔ یہود چونکہ زیادہ تر ظاہر پرست تھے اسلئے انہوں نے اس کشف سے یہ سمجھ لیا کہ مسیح جب غیر قوموں کو کنعان سے باہر نکال کر یروشلم میں حکمران ہوگا تو اس کے پاس یروشلم میں بنی اسرائیل کے دس گم شدہ قبائل گروہ در گروہ جمع ہوں گے۔ اور یہی تعبیر ان کشوف کے جمع کرنے والے نے داخلِ کتاب کر دی۔

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام چونکہ اپنے سلسلہ کے مجدد تھے۔ آپ نے باطل روایات سے قطعِ نظر اصل حقیقت یہی بیان کی ہے کہ بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل کی واپسی سے مراد ان کی روحانی بحالی ہے جو کہ میرے اس جگہ جانے کے ذریعہ تکمیل کو پہنچے گی جہاں یہ قبائل بس رہے ہیں۔ مندرجہ ذیل حوالہ جات اس سلسلہ میں قابلِ غور ہیں۔ حضرت مسیح ناصریؑ فرماتے ہیں:۔

ا۔ "اچھا چرواہا میں ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں اپنی بھیڑوں کو جانتا ہوں اور میری بھیڑیں مجھے جانتی ہیں۔ اور میں اپنی بھیڑوں کیلئے

اپنی جان دیتا ہوں۔ اور میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اِس بھیڑ خانہ کی نہیں مجھے اُن کو بھی لانا ضرور ہے۔ اور وہ میری آواز سُنیں گی۔ پھر ایک گلّہ ہوگا اور ایک ہی چرواہا ہوگا۔" (یوحنا ۱۰/۱۴تا۱۶)

۲۔ "یسوع نے کہا۔ مَیں اور تھوڑے دنوں تک تمہارے پاس ہوں۔ پھر اپنے بھیجنے والے کے پاس جاتا ہوں (یعنی خدا تعالیٰ کی راہ میں ہجرت اختیار کر جاؤں گا۔)؎ تم مجھے ڈھونڈو گے مگر نہ پاؤ گے۔ اور جہاں مَیں ہوں گا تم نہیں آسکتے۔ یہودیوں نے آپس میں کہا کہ یہ کہاں جائے گا۔ کیا ان (بنی اسرائیل) کے پاس جائے گا جو غیر قوموں میں پراگندہ ہیں۔ اور غیر قوموں کو تعلیم دے گا؟ یہ کیا بات ہے جو اس نے کہی کہ تم مجھے ڈھونڈو گے مگر نہ پاؤ گے اور جہاں مَیں ہوں گا تم نہیں آسکتے۔ (یوحنا ۷/۳۳تا۳۶ کیتھولک بائیبل)

ان آیات کی شرح میں پیکس تفسیر بائیبل میں لکھا ہے:۔

"قوم یہود کے سردار مسیح کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں مسیح اس خطرے سے باخبر ہے۔ وہ اپنے دوستوں سے کہتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ زیادہ دیر تک نہ رہے گا۔ وہ اُسے ملنا چاہیں گے لیکن نہ پاسکیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شاید مسیح ان علاقوں میں جانے کے لئے سوچ رہا تھا۔ جہاں یہود جلا وطنی کے بعد بس گئے تھے۔"

۳۔ پھر لکھا ہے:۔

"لوگوں نے اس کو جواب دیا۔ ہم نے شریعت کی یہ بات سُنی ہے کہ مسیح ابد تک (یروشلم میں) رہے گا۔ پھر تو کیونکر کہتا ہے کہ مسیح ابن آدم کے لئے لازم ہے کہ وہ یہاں سے چلا جائے۔ یہ ابن آدم کون ہے؟ پس یسوع نے ان سے کہا کہ اور تھوڑی دیر تک نور تمہارے درمیان ہے۔" (یوحنا ۱۲/۳۴)

یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے عام تراجم میں فقرہ "ابن آدم کے لئے لازم ہے کہ یہاں سے چلا جائے" کی جگہ یہ ترجمہ دیا گیا ہے "ابن آدم کے لئے ضرور ہے کہ وہ اونچے پر چڑھایا جائے" یہ ترجمہ بے معنی ہے اور غلط ثابت ہو چکا ہے۔ پروفیسر چارلس کٹلر ٹوری نے جو کہ السنۂ سامیہ کے بہت بڑے ماہر ہیں اپنے ترجمۂ انجیل (The four Gospels - A New Translation) میں اس غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت مسیح ناصری کی مادری زبان آرامی تھی۔ آرامی کی رُو سے یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ اس آیت پر اُن کا نوٹ درج ذیل ہے:۔

"آرامی کا لفظ جس کے معنی اوپر اٹھائے جانے کے ہیں۔ اکثر اوقات یہ لفظ ایک جگہ سے دوسری جگہ پر

؎ یہ محاورہ قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر بایں الفاظ ہوا۔ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ۔ دوسری جگہ ہے۔ وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ۔ گویا خدا تعالیٰ کی طرف جانے سے مراد یہاں ہجرت ہے۔

جانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح زمین سے اوپر اُٹھائے جانے کا محاورہ فلسطین کی زمین سے دوسری جگہ جانے کے لئے مستعمل تھا۔" (ص ۲۱۴)

اسی تحقیق کے پیش نظر پروفیسر موصوف نے وہ ترجمہ دیا ہے۔ جو کہ میں نے اوپر درج کیا ہے جسمیں واضح طور پر حضرت مسیح کی ہجرت کا ذکر ہے۔

ان حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کیلئے صحف سماوی کی پیشگوئی کہ "بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل اس کے ذریعہ بحال ہوں گے" صرف یہ معنی رکھتی ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ کو اپنے وطن سے ہجرت کر کے ان علاقوں میں جانا ہوگا جہاں یہ قبائل مدت مدید سے سکونت پذیر اور مسیحا کے ذریعہ دینی و روحانی بحالی کے منتظر تھے۔ یہود کا یہ خیال غلط تھا کہ ان قبائل نے دوبارہ اپنے وطن میں واپس لوٹ آنا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ کی یہ سکیم تھی کہ وہ ارض فلسطین سے ہجرت کر کے ان علاقوں میں چلے جائیں جہاں اُن کا گلہ منتشر تھا۔ پس اپنے مشن کی تکمیل کے لئے آپ کے لئے ضروری تھا کہ آپ فلسطین سے ہجرت اختیار کرتے اور بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل کو روحانی مائدہ سے سیر کرنے کے لئے ان کے پاس پہنچتے۔ آپ کا مشن چونکہ ابھی باقی تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو صلیب سے زندہ اُتار لیا۔ تاکہ آپ اپنے مشن کی تکمیل پر روانہ ہو سکیں۔

ایک قدیم دستاویز مکتوب سکندریہ میں جسمیں حضرت مسیح ناصریؑ کے صلیب سے نجات پانے کے حالات درج ہیں حضرت مسیح ناصریؑ کے اس مشن کا ذکر انہی کے الفاظ میں بعبارت ذیل درج ہے:-

۱۔ "یوحنا کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس نے بپتسمہ دیا تھا اس کے دشمنوں نے قتل کر دیا اور مجھے میرے خدا نے اپنا ہاتھ بڑھا کر دشمنوں کے پنجے سے چھڑا لیا۔ اس میں یہی بھید ہے کہ مجھے کسی خاص اور اہم کام کے لئے زندگی دی گئی۔ آرام اور استراحت کے لئے نہیں۔" (ص ۱۰۳)

۲۔ "خدا نے مجھے پھر اٹھایا ہے تاکہ وہ بات جو میں تعلیم کیا کرتا تھا اس کو صحیح ثابت کروں۔ اور اپنے شاگردوں کو دکھاؤں کہ میں زندہ ہوں۔" (ص ۲۷)

۳۔ "مجھے موت کا کچھ ڈر نہیں کیونکہ وہ تو اٹل ہے۔ اور دشمن اِس بات کا اعتراف کریں گے کہ خدا نے مجھے بچا لیا ہے۔ اور مشیت ایزدی یہی ہے کہ میں (ابھی) زندہ رہوں مردں نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرے اندر خدا کی آواز موت کے خوف پر غالب ہے۔" (ص ۹۱)

۴۔ "جب تک میرا باپ مجھے میرا مشن پورا کرنے کے لئے نہیں بلائے گا میں اسی جگہ قیام رکھوں گا۔" (ص ۱۰۳)

۵۔ "میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اب کہاں جاؤں گا کیونکہ میں اِس امر کو مخفی رکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔" (ص ۹۷)

"ارسارۃ" سے کونسا علاقہ مراد ہے؟

عزرا نبی کے مکاشفہ میں یہ ذکر آیا ہے کہ بنی اسرائیل کے دس فرقے دریائے فرات کو پار کر کے ڈیڑھ سال کے سفر کے بعد دور مشرق میں سرزمین ارسارۃ میں جا کر بس گئے۔ دریائے فرات جو کہ انہیں نے وسیلہ بنا لیا ہے اُس زمانہ میں مشرق اور مغرب میں حد کے طور پر سمجھا جاتا

The Crucifixion by An Eye-witness ص

تھا۔ دریائے فرات کے اس پار دُور مشرق میں وہ کونسا ملک ہے جسے سرزمینِ ارسارۃ قرار دیا گیا ہے۔ یہ امر فیصلہ طلب ہے۔

پرانوں میں ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک علاقے کا نام "اُراسا"[1] آیا ہے۔ یہ علاقہ موجودہ ضلع ہزارہ اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ پر مشتمل تھا۔

اسی طرح پنڈت کلہن نے آج سے کم و بیش ایک ہزار سال قبل اپنی کتاب راج ترنگنی میں بار بار "اُرشا" کا ذکر کیا ہے جو کہ کشمیر کی ہمسایہ مملکت تھی۔ ٹھاکر اچھر چند' راج ترنگنی کے اُردو ترجمہ میں لکھتے ہیں :-

"اُرشہ بلاشبہ اس پہاڑی علاقے کا نام ہے جو دریائے وتستا (جہلم) کے بالائی حصے اور سندھ کے مابین واقع ہے۔ اس کا بہت بڑا حصہ اب انگریزی ضلع ہزارہ میں آ چکا ہے۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔ مہابھارت میں "اُرگا" کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس سے غالباً اُرشہ ہی مراد ہے۔ سکندر اعظم نے پنجاب پر جو چڑھائی کی تھی اس میں اس علاقے کے راجہ کا نام "ارسکس" لکھا ہے۔ اُرشا کا نام بار ہا راج ترنگنی میں آتا ہے۔ ارشا کا قدیم صدر مقام جنرل کننگھم کے "جغرافیہ قدیم" کے ص۱۰۴ کی رو سے موجودہ مانسہرہ اور ایبٹ آباد کے درمیان کہیں پر واقع تھا۔" (مکمل راج ترنگنی جلد اوّل نوٹ نمبر ۲۰۴ و جلد دوم "کشمیر کا جغرافیہ قدیم" ص۱۸۵)

یہی اُرشا کا علاقہ ہے جسے عزرانبی کی کتاب میں ارسارۃ قرار دیا گیا۔

(۱) میجر ایچ۔ ڈبلیو۔ بلیو۔ اپنی کتاب "دی ریسز آف افغانستان" میں لکھتے ہیں :-

"اس قوم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ——— افغان لوگ ملک سیریا سے آئے ہیں۔ بخت نصر نے انہیں قید کیا اور پرشیا اور میڈیا کے علاقوں میں انہیں آباد کیا۔ ان مقامات سے کسی بعد کے زمانہ میں مشرق کی طرف نکل کر غور کے پہاڑی ملک میں جا بسے۔ جہاں یہ لوگ، ہمسایہ قوموں میں "بنی افغان" اور "بنی اسرائیل" کے نام سے مشہور ہوئے اس کے ثبوت میں عزرا نبی کی کتاب کی یہ شہادت موجود ہے کہ بنی اسرائیل کی دس قومیں جو اسیری میں گئیں قید سے بھاگ کر ملک ارسارۃ میں پناہ گزین ہوئیں۔ اور یہ اس علاقہ کا نام معلوم ہوتا ہے جسے آجکل ہزارہ کہتے ہیں۔"

اس کے بعد مصنّف مذکور اسی تسلسل میں **طبقات ناصری** کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اسی طرح تاریخ کی ایک کتاب "طبقات ناصری" میں جس میں چنگیز خاں کی فتوحات کا ذکر ہے لکھا ہے کہ شینسبی خاندان کے زمانہ میں یہاں ایک قوم آباد تھی جس کو بنی اسرائیل کہتے تھے اور بعض ان میں

[1] ملاحظہ ہو مارکنڈیا پران +

بڑے بڑے تاجر تھے " (ص ۱۵)

بائیبل میں آستر کی کتاب میں بھی یہ شہادت موجود ہے کہ بنی اسرائیل فارس کی سلطنت میں دریائے سندھ تک پھیل چکے تھے (آستر ۸/۹) اس حوالہ کی وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ بائیبل (اردو) ص ۲۹۲۔

(۲) تھامس لیڈلی اپنی کتاب میں افغانوں کی قدیم تاریخ پر بحث کرتے ہوئے اَرسا اور ارسارۃ کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور اس سے مراد ضلع ہزارہ لیتے ہیں[۱]۔ اور اب تو محققین یہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اس علاقہ کے قرب وجوار میں کسی زمانہ میں آرامی زبان بولی اور لکھی جاتی تھی۔ اور جب سے ٹیکسلا کی کھدائی میں آرامی زبان کا کتبہ ملا ہے یہ تھیوری کہ ہندوستان کے شمال مغرب کے ایک حصہ میں آرامی زبان کا دور دورہ رہا یقین کی حد تک پہنچ چکی ہے[۲]۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں کم و بیش آٹھ سو سال تک "خروشتی" رسم الخط رائج رہا جو کہ مسلمہ طور پر آرامی رسم الخط کی ایک دوسری صورت ہے یعنی آرامی خط کو پراکرت کی آوازوں کا ہم آہنگ بنانے کے نتیجہ میں خروشتی رسم الخط پیدا ہوا۔

یہاں یہ واضح رہے کہ قدیم ہندوستان میں بسنے والے بنی اسرائیل کی زبان آرامی تھی۔ عبرانی زبان وہ بھول چکے تھے۔ آشور، میڈیا اور پرشیا میں عرصہ دراز تک رہنے کے باعث مقامی زبان آرامی انہوں نے اختیار کر لی۔ ویسے اس زبان سے وہ اپنے وطن میں بھی شناسا اور مانوس تھے۔

اسیری میں عبرانی زبان بڑی حد تک متروک ہو گئی۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ ترجمان کے بغیر عبرانی تورات کا اُن کے لئے سمجھنا محال تھا[۳]۔

قدیم ہندوستان میں بنی اسرائیل کی زبان اور رسم الخط کے آثار کے موضوع پر ایک دوسرے مقالہ میں چونکہ بحث کی جائے گی (انشاء اللہ) اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے ✦

خدام کے لئے
مضمون نویسی کا انعامی مقابلہ

مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے خدام میں مضمون نویسی کا شوق پیدا کرنے کیلئے بزم انصار سلطان القلم کے ذریعے ایک پروگرام شروع کیا ہے جس میں علاوہ دیگر مشغولوں کے مضمون نویسی کے انعامی مقابلہ منعقد کرنا بھی شامل ہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ لاہور انعامی مقابلہ میں دیگر مجالس کو بھی شرکت کی دعوت دیتی ہے۔ مجوزہ مضمون کا عنوان "انفرادی اور اجتماعی ترقی کیلئے ایمان علی بصیرت کی اہمیت" ہے۔ بیرونی مجالس کے جو خدام اس مقابلے میں شرکت کے خواہشمند ہوں وہ اپنے مضامین اپنے زعیم یا قائد کی معرفت ۱۵ اپریل ۵۶ء تک صدر بزم انصار سلطان القلم لاہور کو ارسال کر دیں۔ مضمون خوشخط لکھا ہو۔ اوّل، دوم، سوم آنیوالے خدام کو مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی طرف سے انعامات دیئے جائیں گے اور اوّل آنیوالے خادم کا مضمون سلسلہ کے اخبارات میں سے کسی اخبار میں شائع کرایا جائیگا۔ اس مضمون کے لکھنے میں خدام حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ جمعہ مندرجہ الفضل ۲۸ جنوری ۵۶ء، مکرم محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے لیکچر مندرجہ الفضل ۳۱ جنوری و یکم فروری اور الفضل نمبر ۴ فروری ۵۶ء کے اداریہ سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ تمام مضامین اس پتے پر آنے چاہئیں: "صدر بزم انصار سلطان القلم لاہور، شاہ عالم گلی ۴۳ لاہور"۔ (محمود میر زا معتمد مجلس خدام الاحمدیہ لاہور)

---

[۱] Thomas Ledlie More Ledlian, Calcutta Review, January 1898.

[۲] "ٹیکسلا" از سر جان مارشل جلد اوّل ص ۱۵ ✦

[۳] تاریخ بائیبل از پادری ولیم جی بلیکی (اردو) ص ۲۹۳ ✦

وہ معصیت سے بری ہے جو شرمسار آئے

(نتیجۂ فکر جناب نسیم سیفی صاحب نائیجیریا مغربی افریقہ)

تمہارے در سے پلٹ کر جو دلفگار آئے
تمہیں کہو کہ اسے کس طرح قرار آئے

پڑے ہوئے ہیں اگر اب صنمکدے میں تو کیا
حرم میں بھی تو کبھی روز ہم گذار آئے

اگر وہ ضامنِ صبر و سکونِ قلب نہ ہوں
تو اُن کا نام زباں پہ نہ بار بار آئے

کِھلی ہے اور نہ کِھلیگی کبھی کلی دِل کی
بہارِ صحنِ چمن میں ہزار بار آئے

جو سرنگوں ہے حقیقت میں سرفراز ہے وہ
وہ معصیت سے بری ہے جو شرمسار آئے

نسیم بزم میں ان کی صلائے عام تو ہے
مگر یہ شرط ہے جو آئے اشکبار آئے

پیشگوئی "عمانوایل" کے مصداق کون ہیں؟

حضرت مسیح ناصری اسکے مصداق قرار نہیں پاسکتے

یسعیاہ ۷:۱۴ کا صحیح ترجمہ اور رسالہ المائدہ کا بے جا واویلا

دوسری صدی عیسوی کا ایک دینی مکالمہ

جناب مسعود احمد صاحب دہلوی بی اے

جب سے امریکہ کی "ورلڈ کونسل آف چرچز" نے "ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن" کے نام سے بائیبل کا نیا انگریزی ترجمہ شائع کیا ہے، معزز معاصر المائدہ برابر اس ترجمہ کے خلاف آواز اٹھا رہا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ اس ترجمہ نے مروجہ عیسائیت کی تمام بنیاد ختم کر دی ہے اور یہ ایک طرح سے اس کی تردید کا حکم رکھتا ہے۔ اُسے سب سے زیادہ اعتراض یسعیاہ باب ۷ آیت ۱۴ کے ترجمہ پر ہے۔ بائیبل کے نئے انگریزی ترجمہ میں مروجہ تراجم کے خلاف اس آیت کا جو ترجمہ درج کیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"Behold, a young woman shall conceive, and bear a son, and shall call his name Immanuel."

اردو ترجمہ: "دیکھو ایک جوان عورت حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے۔"

اس ترجمہ اور مروجہ تراجم میں فرق یہ ہے کہ اس میں Virgin (کنواری) کی بجائے young woman (جوان عورت) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ "کنواری" کے لفظ کی رعایت سے عیسائی حضرات یسعیاہ نبی کی اس پیشگوئی کا مصداق حضرت عیسیٰؑ کو ٹھہراتے تھے۔ اس نئے ترجمہ کی وجہ سے حضرت مسیحؑ اس پیشگوئی کے مصداق نہیں ٹھہر سکتے۔ بلکہ جیسا کہ رسالہ الفرقان کی ایک گذشتہ اشاعت میں (حوالہ کے لئے دیکھیں رسالہ الفرقان ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۵ء) تفصیل کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے واقعات کی رُو سے اس پیشگوئی کے مصداق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرار پاتے ہیں۔ کیونکہ متی کی انجیل میں عمانوایل کا ترجمہ "خدا ہمارے ساتھ" کیا گیا ہے اور لغت کی رُو سے بھی اس کا صحیح ترجمہ ہے۔ اور اس لحاظ سے سید ولد آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سانحہ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ آپ ہی اس نام کے

اصل مصداق ہیں۔ آپ زندگی بھر پورے وثوق کے ساتھ اس دعوے کا اعلان فرماتے رہے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ بالخصوص آپ کو غار ثور میں جب زندگی کا مشکل ترین مرحلہ پیش آیا اور حضرت ابو بکرؓ نے جو اُس وقت آپ کے ساتھ تھے شدید خطرہ محسوس کیا تو آپ نے پورے وثوق کے ساتھ فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ مت غم کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اس کے بالمقابل جب مسیح علیہ السلام کی زندگی میں مشکل ترین گھڑی آئی تو انہوں نے خود انجیل کے بیان کے مطابق چلا کر کہا "ایلی ایلی لما سبقتنی" کہ اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ یہ موازنہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ عمانوایل نام کے مصداق حضرت مسیح علیہ السلام نہیں بلکہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چونکہ المائدہ کو کسی صورت یہ گوارا نہیں ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق جناب مسیح علیہ السلام قرار نہ پاسکیں۔ اسلئے وہ بار بار زور دے رہا ہے کہ امریکہ کی ورلڈ کونسل آف چرچز کی یہ جسارت جو یسعیاہ ۷/۱۴ کے ترجمہ میں تبدیلی سے تعلق رکھتی ہے سخت قابل مواخذہ ہے۔ عیسائی دنیا کو اس کا فوراً بائیکاٹ کر دینا چاہئیے اور اس کو ایمان سے بالکل انکار کر دینا چاہئیے۔

بائیبل کا نیا ترجمہ اور عیسائی دنیا کا ردِ عمل

لیکن المائدہ کی اس مہم کے باوجود عیسائی انجمنیں خاموش ہیں اور وہ المائدہ کے اپنے الفاظ کے مطابق اس کے احتجاج کو کوئی اہمیت نہیں دے رہیں چنانچہ وہ رقمطراز ہے :-

"جب امریکہ میں بائیبل کا نیا انگریزی ترجمہ شائع ہوا اور اس پر سب سے اول مرزائیوں کے اخبار نے اسلئے مرزائیت کی فتح کے شادیانے بجائے کہ اس ترجمہ میں خداوند مسیح کے کنواری مریم سے پیدا ہونے کی پیشگوئی (یسعیاہ ۷/۱۴) سے انکار کیا گیا ہے کیونکہ اب اس کا یہ نیا ترجمہ کیا گیا ہے "ایک جوان عورت حاملہ ہوگی" تو ہم نے مغربی پاکستان کرسچن کونسل سے دریافت کیا کہ کیا وہ اس نئے ترجمہ کو درست مانتی ہے؟ ....

.... مگر تمام مغربی پاکستان کے مسیحی سوائے مسٹر آر۔ ایم نیوٹن کے نئے ترجمہ کی اس تبدیلی کو شیر مادر کی مانند مزے سے پی کر ہضم کر گئے۔"

(المائدہ لاہور ۳۱ جنوری ۱۹۵۶ء)

المائدہ کا یہ بیان تو سراسر غلط ہے کہ ترجمہ کی اس تبدیلی سے مسیح علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کی نفی لازم آتی ہے (کیونکہ یہ ایک جداگانہ مسئلہ ہے) البتہ اس سے یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ یسعیاہ ۷/۱۴ میں جس نبی کے آنے کی خبر دی گئی ہے مسیح علیہ السلام اس کے مصداق نہیں ہیں بلکہ اس میں جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں صاف طور پر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی گئی ہے۔

اب ہم اس سوال کو لیتے ہیں کہ المائدہ کے سوا باقی عیسائی دُنیا ترجمہ کی اس تبدیلی کو کیوں درست سمجھتی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ عبرانی کی کسی قدیم بائیبل میں بھی اس آیت کے ضمن میں Virgin یعنی کنواری کے لفظ کا ذکر تو کیا کوئی اشارہ تک موجود نہیں ہے۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جانے کے بعد کہ آج تک اس کا غلط ترجمہ ہوتا رہا ہے "ریوائزڈ اسٹینڈرڈ ورشن" والوں نے عبرانی لفظ کا صحیح ترجمہ یعنی "جوان عورت" درج کر دیا

ہے۔ سوا ایک ثابت شدہ حقیقت کو تسلیم کرنے کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود المائدہ اب بھی یہی زور دے رہا ہے کہ "ورلڈ کونسل آف چرچز" نے سخت ظلم ڈھایا ہے اور عیسائیت کی بنیاد کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ چنانچہ اس نے ۱۵ فروری ۱۹۵۶ء کے پرچہ میں پھر لکھا ہے کہ یہ ترجمہ مروّجہ عیسائیت کی تردید کا حکم رکھتا ہے۔ یسعیاہ ۷/۱۴ کا ہمیشہ یہ ترجمہ ہوتا آیا تھا کہ "کنواری حاملہ ہو گی" لیکن "کنواری" کے لفظ کو خواہ مخواہ "جوان عورت" کے الفاظ میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

دوسری صدی عیسوی کا ایک مکالمہ!

المائدہ کا یہ کہنا کہ یسعیاہ ۷/۱۴ کا ہمیشہ یہ ترجمہ ہوتا آیا تھا کہ "کنواری حاملہ ہو گی" اور یہ کہ اس پر کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا، واقعات کے خلاف ہے۔ عیسائیت کی تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ جب دوسری صدی عیسوی میں عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کو بائیبل کی اس پیشگوئی کا مصداق ثابت کرنا چاہا تو اُسوقت کے یہودیوں نے اس پر یہی اعتراض کیا تھا کہ تورات کے عبرانی نسخوں میں "جوان عورت" کے الفاظ ہیں اور ان میں "کنواری" کا ذکر تک نہیں ہے۔ یہودیوں کے اس اعتراض کا ایک دستاویزی ثبوت آج تک محفوظ چلا آ رہا ہے۔ دوسری صدی عیسوی میں مشہور عیسائی فلسفی و مصنف جسٹن مارٹیر (Justin Martyr) اور یہودی فلسفی ٹرائی فو (Trypho) کے درمیان ایک مکالمہ ہوا تھا جسے بعد میں جسٹن مارٹیر نے خود "Dialogue with Trypho the Jew" کے نام سے لکھا۔ اس کا ایک نسخہ آج بھی پیرس میں محفوظ ہے۔ اس مکالمہ میں جب جسٹن مارٹیر نے ٹرائی فو کے سامنے الوہیت مسیح کے ثبوت کے طور پر یہ دلیل پیش کی کہ وہ یسعیاہ نبی کی پیشگوئی کے موجب کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے تو ٹرائی فو نے بڑے زوردار الفاظ میں اس کی تردید کرتے ہوئے یہی کہا کہ عہد نامہ قدیم کے کسی عبرانی نسخہ میں بھی خواہ وہ نیا ہو یا پرانا Virgin کا لفظ نہیں ہے بلکہ وہاں young woman کا ذکر ہے کہ وہ حاملہ ہو گی اور بیٹا جنے گی۔ ذیل میں ہم ٹرائی فو نامی یہودی کے جواب کا انگریزی ترجمہ مشہور عیسائی مصنف مسٹر ٹی۔ آر۔ گلوور (T.R. Glover) کی کتاب "The Conflict of Religions in the Early Roman Empire" سے نقل کرتے ہیں۔ مسٹر گلوور عرصہ دراز تک کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیوں میں "تاریخ قدیم اور مذاہب عالم" کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ انہوں نے جسٹن مارٹیر کی مذکورہ کتاب کے حوالہ سے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۰ پر ٹرائی فو کے جواب کا حسب ذیل انگریزی ترجمہ درج کیا ہے:-

Trypho rejoined: The Scripture has not: Behold the virgin shall conceive and bear a son; but: Behold, the young woman shall conceive and bear a son and the rest as you said. ...In the myths of the Greeks it is said that Perseus was born of Danae, when

she was a virgin — after Their so-called Zeus had come upon her in the form of gold. You ought to be ashamed to tell the same story as they do. You would do better to say this Jesus was born a man of men, and if you show from the scriptures that he is the Christ — say that it was by his lawful and perfect life that he was counted worthy of being chosen as Christ. Don't talk miricles of that kind, or you will be proved to talk folly beyond even that of the Greeks."

ترجمہ:۔ "ٹرائی فو نے جواب میں کہا۔ تورات میں یہ نہیں ہے کہ ـــــ "دیکھو کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی" ـــــ بلکہ وہاں یہ الفاظ ہیں ـــــ دیکھو جوان عورت حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی . . . . الی آخرہ . . . . یونانیوں کے دیوی دیوتاؤں کے قصوں میں یہ آتا ہے کہ جب نام نہاد Zeus نامی دیوتا یونانی شہزادی Danae کے پاس سونا بن کر آیا (تو وہ حاملہ ہوئی) اور اس طرح Perseus اس کے بطن سے اس حال میں پیدا ہوا کہ وہ کنواری تھی۔ یونانیوں کی طرح ایسی ہی ایک کہانی مسیح کے متعلق بیان کرنا تمہارے لئے باعث شرم ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ تم کہو کہ مسیح انسانوں کی طرح ایک انسان کے طور پر پیدا ہوا تھا اور اگر تم تورات سے یہ دکھانا چاہتے ہو کہ وہ فی الواقعہ مسیح ہے تو تم یہ ثابت کرو کہ وہ اپنی جائز اور کامل زندگی کی بناء پر اس قابل ٹھہرا کہ وہ مسیح کے طور پر چنا گیا اس قسم کے معجزات کا ذکر مت کرو ورنہ تم یونانیوں سے بھی بڑھ کر احمقانہ باتیں کرنے والے ثابت ہو گے۔"

اس کے بعد مسٹر گلوور، ٹرائی فو کی اس حد تک تائید کرتے ہوئے کہ فی الواقعہ بائیبل کے عبرانی نسخوں میں جوان عورت کا ہی ذکر ہے لکھتے ہیں :۔

'Trypho has the Hebrew text behind him which says nothing about a virgin though the Septuagint has the word.'

ترجمہ:۔ "ٹرائی فو کو تورات کے عبرانی متن کی تائید حاصل ہے جس میں کنواری کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ یونانی ترجمہ میں (جو بہت بعد میں کیا گیا تھا۔ ناقل) یہ لفظ آتا ہے۔"

ٹرائی فو نامی یہودی فلسفی کے مذکورہ بالا جواب اور زمانہ حال کے عیسائی مصنف مسٹر ٹی۔ آر۔ گلوور کی وضاحت

سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ بائیبل کے عبرانی نسخوں میں کنواری کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ وہاں "جوان عورت" کے الفاظ ہیں۔ اب اگر اس حقیقت کے پیش نظر ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن میں یسعیاہ ۷/۱۴ کے تحت "کنواری" کی بجائے "جوان عورت" ترجمہ درج کیا گیا ہے تو اس میں اعتراض کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے۔ اس میں مترجمین نے اپنی مرضی سے تبدیلی نہیں کی ہے بلکہ جدید تحقیق کے نتیجے میں ایک سابقہ غلطی کو درست کیا ہے۔ اس پر المائدہ کا اعتراض اور سلسل چیخ و پکار سراسر بے معنی ہے۔

المائدہ کا دوسرا اعتراض

اس ضمن میں المائدہ نے دوسرا اعتراض یہ اٹھایا ہے کہ اگر "جوان عورت" کا ترجمہ درست تسلیم کر لیا جائے تو متی کی انجیل کے یہ الفاظ کہ ــــ "یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ خداوند نے جو نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے" ــــ کس طرح درست ثابت ہوں گے۔ چنانچہ المائدہ مغربی پاکستان کرسچین کونسل کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

> "اگر (مغربی پاکستان کرسچین کونسل بائیبل کے نئے انگریزی ترجمہ کو) درست مانتی ہے تو متی ۱/۲۲ کا یہ بیان کیونکر درست ہوگا کہ "جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے"؟ نبی کی جس پیشگوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پھر وہ کہاں ہوگی؟" (المائدہ ۱۳ جنوری ۱۹۶۵ء)

یہ امر ثابت ہوجانے کے بعد کہ آج تک یسعیاہ ۷/۱۴ کا ترجمہ غلط ہوتا رہا ہے یہ بات خود بخود واضح ہوجاتی ہے کہ متی کی مذکورہ بالا آیت درست نہیں ہے اور مسیح علیہ السلام کو یسعیاہ ۷/۱۴ کی پیشگوئی کا مصداق ثابت کرنے کے شوق میں اسے بہت بعد میں انجیل میں داخل کیا گیا ہے۔ المائدہ اپنی اناجیل کو تحریف سے پاک ثابت کرنے کے لئے چاہتا ہے کہ یسعیاہ ۷/۱۴ کے ترجمہ میں آج تک جو غلطی کی جاتی رہی ہے اسے سرے سے تسلیم ہی نہ کیا جائے خواہ حقائق کی روشنی میں وہ غلطی کس قدر ہی اظہر من الشمس کیوں نہ ہوچکی ہو۔ یہ طرز استدلال بہت نرالا ہے کہ چونکہ متی کی انجیل پر حرف آتا ہے اس لئے دیدہ و دانستہ یسعیاہ ۷/۱۴ کے غلط ترجمہ کو روا رکھا جائے اور دنیا کے سامنے اسے ہی درست ظاہر کیا جائے۔

اناجیل میں تحریف کا آغاز

در اصل جہاں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ عیسائی دنیا آج تک سراسر غلط ترجمہ سے فائدہ اٹھا کر حضرت مسیح علیہ السلام کو یسعیاہ نبی کی پیشگوئی کا مصداق ظاہر کرتی رہی ہے وہاں ساتھ ہی جدید تحقیق کی روشنی میں اس امر کے بے شمار ثبوت فراہم ہوچکے ہیں کہ موجودہ اناجیل تحریف سے پاک نہیں ہیں۔ ان میں ضرورت کے مطابق ابتدا ہی سے تحریف ہوتی چلی آرہی ہے۔

اس تحریف کا آغاز اُس وقت ہوا جب پولس نے دین مسیحی کو غیر اقوام میں مقبول بنانے کے لئے Greek Mythology کے زیر اثر اس میں الوہیت مسیح، مسیح کے مرنے، مر کر جی اٹھنے اور آسمان پر جانے نیز تثلیث اور کفارہ وغیرہ کے عقائد شامل کئے۔ اس طرح یہ نیا دین جسے موسوی عقائد سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا یہودیوں کے لئے اور بھی زیادہ ناقابل قبول بن گیا۔ اس میں شک نہیں

کہ ان نئے عقائد کی وجہ سے مسیحیت کو رومی، یونانی اور دوسری مشرک اقوام میں تو کسی حد تک مقبولیت حاصل ہونے لگی لیکن یہودی پہلے سے بھی بڑھ کر اس کے مخالف ہوگئے اور اس طرح یہودیوں میں تبلیغ کا راستہ یکسر مسدود ہوکر رہ گیا۔ ابتدائی مسیحیوں نے اس مشکل کا یہ حل نکالا کہ یہودیوں سے ان مسائل پر براہِ راست بحث کرنے کی بجائے ان کو یہ سمجھانا شروع کیا کہ مسیح تورات کی بیان کردہ تمام پیشگوئیوں کا مصداق ہے۔ اس اسلوب نے اناجیل میں ایک نئی تحریف کا دروازہ کھول دیا۔ چنانچہ مسیح کو انبیاء بنی اسرائیل کی پیشگوئیوں کا مصداق ثابت کرنے کی خاطر جہاں وہ ایک طرف حسبِ ضرورت اناجیل میں تحریف کرتے چلے گئے وہاں دوسری طرف انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں کے غلط تراجم سے بھی انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ بحث کے اس نئے اسلوب کی مدد سے ایک طرف وہ ثابت کرتے تھے کہ یسوع میں وہ تمام علامات پوری ہوتی ہیں جو آنے والے مسیح کے متعلق تورات میں بیان ہوئی ہیں اور دوسری طرف ساتھ ہی یہ دکھانے کی بھی کوشش کرتے تھے کہ مسیح کو صلیبی موت اور اس موت کے بعد جی اٹھنے کے سلسلہ میں جو واقعات پیش آئے اُن کے متعلق بھی کسی نہ کسی رنگ میں تورات کے اندر اشارہ موجود ہے۔ مسٹر ٹی۔ آر۔ گلوور نے اپنی کتاب *The Conflict of Religions in the Early Roman Empire* میں عیسائیوں اور یہودیوں کی ان ابتدائی بحثوں اور مناظرات کا ذکر کرتے ہوئے اس زمانہ کے عیسائیوں کی اس ناپسندیدہ روش پر بھی روشنی ڈالی ہے جس کا مقصد مسیح علیہ السلام کو کسی نہ کسی طرح انبیاء بنی اسرائیل کی تمام پیشگوئیوں کا مصداق ثابت کرنا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:-

"To prove the Messiahship of Jesus, a great system of Old Testament citations was developed, the origins of which are lost to us."

(Page 183)

"یسوع کو مسیح ثابت کرنے کیلئے عہد نامہ قدیم کے اقتباسات پیش کرنے کے اسلوب کو رواج دیا گیا۔ اس نئے اسلوب کی ابتداء کیونکر ہوئی اس کا (تفصیلی) حال مرورِ زمانہ کی نذر ہو چکا ہے۔"

یہ بتانے کے بعد کہ عہد نامہ قدیم کی ایک ایک بات کو مسیح پر چسپاں کرنے کا طریق ایک خاص ضرورت کے ماتحت بعد میں رائج ہوا۔ مسٹر گلوور لکھتے ہیں کہ یہ اسلوب غیر معقول اور بے معنی سا تھا۔ چنانچہ اُن کے الفاظ یہ ہیں:-

"The whole procedure was haphazard and unscientific; it closely resembled the principles used by Artemidorus for the interpretations of dreams — a painful analogy."

(Page 184)

ترجمہ: "پیشگوئیاں چسپاں کرنے کا یہ سارا اسلوب غیر سائنسی اور عادتاتی نوعیت کا تھا اور آرٹی میڈورس نامی قدیم نجومی کے اُن اصولوں سے ملتا جلتا تھا جن کی

رد سے وہ خوابوں کی تعبیر بتاتا تھا ــــــ
یہ ایک تکلیف دہ مماثلت ہے۔"

پیشگوئیاں چسپاں کرنے کے غیر معقول اسلوب پر روشنی ڈالنے کے علاوہ مسٹر ڈگلوور نے اس امر کو بھی واضح کیا ہے کہ یہ اسلوب خود حضرت مسیح علیہ السلام کے اپنے اسلوب اور طریق کے منافی تھا وہ لکھتے ہیں:-

But it is obvious that the whole method is quite alien to the mind and style of Jesus, in spite of quotations in the vein of apologists which the evangelists here and there have attributed to him.."

(page 183)

ترجمہ:- اُن تائیدی اقوال کے باوجود جو انجیل کے مصنفین نے کہیں کہیں مسیح کی طرف منسوب کئے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ (عہد نامۂ قدیم کی تمام پیشگوئیوں کو مسیح پر چسپاں کرنے کا) یہ سارا سلسلہ یسوع مسیح کے مزاج اور طریقِ فکر کے بالکل منافی ہے۔"

یقیناً حضرت مسیح علیہ السلام ہرگز اِس بات کے روادار نہ تھے کہ وہ اپنے آپ کو بالاستقرار تمام پیشگوئیوں کا مصداق ٹھہراتے کیونکہ انبیاءِ بنی اسرائیل کے صحیفوں میں جو پیشگوئیاں بیان کی گئی ہیں وہ تمام کی تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان میں سے اکثر کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہے۔

پس پہلی اور دوسری صدی عیسوی کے مسیحیوں کا یہ طریق کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام سابقہ پیشگوئیوں کا مصداق ثابت کرنا چاہتے تھے درست نہ تھا۔ ساری پیشگوئیاں آپ پر نہ چسپاں ہوتی تھیں اور نہ ہو سکتی تھیں اس لئے وہ عہد نامۂ قدیم کے تراجم اور پھر خود اپنی اناجیل میں حسبِ ضرورت ایسی ترامیم کرتے چلے گئے کہ جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بآسانی تمام سابقہ پیشگوئیوں کا مصداق ثابت کیا جا سکے چنانچہ یسعیاہ باب ۷ آیت ۱۴ میں جس عظیم الشان نبی کے ظہور کی پیشگوئی کی گئی ہے حضرت مسیح علیہ السلام کو اس کا مصداق ثابت کرنے کے لئے جہاں ابتدائی دور کے مسیحیوں نے یسعیاہ نبی کے صحیفے کے غلط ترجمہ کا سہارا لیا وہاں انجیل میں بھی ایسے الفاظ داخل کر دیئے کہ جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ فی الواقعہ حضرت مسیح اِس پیشگوئی کے بھی مصداق ہیں۔ چنانچہ دوسری صدی عیسوی کے اواخر میں یہودیوں اور مشرکین میں سے بعض لوگوں نے عیسائیوں پر یہی الزام لگایا تھا کہ وہ جب چاہتے ہیں اپنی مذہبی کتابوں میں موقع اور محل کے مطابق ترمیم کر لیتے ہیں۔ مسٹر گلوور نے اُن کے اِس اعتراض کا ذکر اپنے طور پر اِن الفاظ میں کیا ہے:-

"The Christians systematically edited and altered the Gospels to meet the needs of the moment." (page 173)

"عیسائی وقتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ایک خاص اسلوب کے مطابق اپنی اناجیل کو مرتب کرتے اور اُن میں تبدیلی کر دیتے تھے۔"

متی کی انجیل میں تحریف کا ثبوت

عیسائیوں کے بعض محقق علماء نے متی کی خاص اُس آیت کے حوالہ سے جس میں مسیح کو یسعیاہ ۷/۱۴ کا مصداق ظاہر کیا گیا ہے متی کی انجیل میں تحریف کو تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس انجیل میں پیشگوئیوں کے ظہور کا بیان مصنوعی ہے اور ضرورۃً بعد میں شامل کیا گیا ہے۔ چنانچہ مسٹر جے۔ ای کارپینٹر (J.E. Carpenter) اپنی مشہور کتاب "The First Three Gospels" مطبوعہ ۱۸۹۰ء کے صفحہ ۳۶۶ پر "عام متن اور اسکے مواد میں اضافہ" کے عنوان کے ماتحت متی ۱/۲۲،۲۳ اور اسی قسم کی دوسری آیات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"The scope of thought seems larger in Mathew's story; but it is more clearly under the control of certain leading motives, notably the fulfilment of prophecy; it has, consequently, a more artificial, a less spontaneous, character. It is the product not so much of spiritual imagination giving poetic form to great emotions, as of conscious reflection working out certain definite ideas. Does not this process arise at a later stage?"

ترجمہ:- متی کی بیان کردہ کہانی میں خیال کی وسعت زیادہ نمایاں ہے لیکن اس وسعتِ خیالی کے پس پردہ بعض مخصوص مقاصد کارفرما نظر آتے ہیں جن میں پیشگوئیوں کا ظہور خاص طور پر نمایاں ہے۔ اس لئے اس میں روانی کی بجائے تصنع اور بناوٹ کا عنصر غالب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ عظیم جذبات کو از خود اشعار کی شکل میں ڈھالنے والے روحانی تخیل کی بجائے سوچے سمجھے تاثرات کی پیداوار معلوم ہوتی ہے جس کا مقصد بعض مخصوص خیالات کو پیش کرنا ہے۔ کیا یہ اسلوب ایک بعد کے زمانہ کی پیداوار نہیں ہے؟"

مسٹر کارپینٹر آگے چل کر یہ ثابت کرتے ہوئے کہ متی کی انجیل میں عرصہ دراز تک مسلسل تحریف ہوتی رہی اور یہ کچھ سے کچھ شکل اختیار کرتی چلی گئی لکھتے ہیں:-

"Certain it is that the work in its present form is not apostolic. Its artificial arrangement, its occasional vague expression — so different from the precision of an eye-witness — its indication of a later stage of doctrine and church-life — all forbid us to identify the first evangelist with one of the Companions of Jesus."

(page 380)

ترجمہ :- "یہ امر یقینی ہے کہ متی کی انجیل اپنی موجودہ شکل میں کسی حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ اس کی مصنوعی ترتیب، جگہ جگہ اس کا مبہم اندازِ بیان جو ایک عینی شاہد کی عبارت سے بہت بعید ہے۔ عقائد کی بدلی ہوئی صورت اور کلیسیائی زندگی کے متعلق اشارات یہ سب باتیں ہمیں پہلی انجیل کے مصنف کو مسیح کے حواریوں میں شامل کرنے سے منع کرتی ہیں۔"

اسی طرح جرمن محقق Wilhelm Soltau نے اپنی کتاب "Birth of Jesus Christ" مطبوعہ ۱۹۰۳ء میں یسعیاہ $\frac{7}{14}$ کے ضمن میں Virgin کے ترجمہ کو غلط ثابت کرتے ہوئے متی $\frac{1}{22}$ اور اس کے بعد کی آیت کو سراسر تحریف پر محمول کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان آیات کا پہلی آیات سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔ مسیح "عمانوایل" کے نام کا کسی طرح بھی مصداق قرار نہیں پا سکتا۔ یہ آیات خواہ مخواہ متی کی انجیل میں شامل کر دی گئی ہیں۔ اس ضمن میں ان کی کتاب کا <u>صفحہ ۵۵</u> خاص طور پر اہم ہے۔

خلاصۂ کلام الغرض دوسری صدی عیسوی کے یہودی عالموں اور موجودہ زمانہ کے عیسائی محققین کے جو حوالجات ہم نے اوپر نقل کئے ہیں ان سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ بائیبل کے قدیم عبرانی متن کے رُو سے یسعیاہ باب ۷ آیت ۱۴ میں Virgin (کنواری) کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں جو عبرانی لفظ ہے اس کا صحیح ترجمہ young woman ہے۔ ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورشن والوں نے اس آیت کا یہ ترجمہ کر کے کہ "دیکھو ایک جوان عورت حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھا جائیگا" ایک ایسی غلطی کی اصلاح کی ہے جس کا بالبداہت غلط ہونا پوری طرح ثابت ہو چکا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ متی $\frac{1}{22-23}$ میں مسیح کو یسعیاہ $\frac{7}{14}$ کا مصداق ظاہر کیا گیا ہے انجیل میں مزورہ بعد میں داخل کی گئی ہیں اصلی نہیں ہیں۔

آج تو عیسائی دُنیا نے صدیوں بعد اناجیل اور عہد نامۂ قدیم میں تحریف کی ایک مثال کو تسلیم کیا ہے رفتہ رفتہ جدید تحقیق کی روشنی میں ایسی بیشمار تحریفات منظرِ عام پر آکر ان کتب کا محرّف و مبدّل ہونا اس طور پر ثابت کر دینگی کہ جس سے انکار کی گنجائش باقی نہ رہیگی اسلئے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام مروجہ عیسائیت (جسکو مسیح علیہ السلام کی اصل تعلیم سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے) کے نابود ہونے کی کھلے اور واضح الفاظ میں پہلے ہی پیشگوئی فرما گئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں :-

"قریب ہے کہ سب ملّتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اُس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہیگا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد رُوحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اُتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔"

(تذکرہ صفحہ ۲۸۶ - طبع اوّل)

لفظی الہام اور علامہ اقبال

(از مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعۃ المبشرین)

مولانا عبدالمجید صاحب سالک نے ایک کتاب "ذکر اقبال" کے نام سے شائع کی ہے جسے بزم اقبال نے شائع کیا ہے۔ اسکے صفحہ ۲۴۴ پر الہام لفظی کے عنوان کے ماتحت سالک صاحب لکھتے ہیں :-

"ایک دفعہ کا ذکر ہے فارمن کرسچن کالج لاہور کا سالانہ اجلاس تھا جس میں علامہ بھی مدعو تھے۔ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس نے علامہ سے کہا کہ آپ اجلاس اور جائے سے فارغ ہونے کے بعد ذرا ٹھہر نے گا مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔ ڈاکٹر لوکس تقریب سے فارغ ہونیکے بعد علامہ کے پاس آئے اور سوال کیا کہ آیا آپ کے نزدیک آپکے نبیؐ پر قرآن کا مفہوم نازل ہوا تھا جسے وہ اپنے الفاظ میں بیان کر دیتے تھے یا الفاظ بھی نازل ہوتے تھے؟ علامہ نے صاف جواب دیا کہ میرے نزدیک قرآن کی عبارت عربی زبان میں آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی تھی یعنی قرآن کے مطالب ہی نہیں بلکہ الفاظ بھی الہامی ہیں۔ ڈاکٹر لوکس نے اس پر بہت تعجب کا اظہار کیا اور کہا میری سمجھ میں نہیں آتا آپ جیسا عالی پایہ فلسفی verbal Inspiration (الہام لفظی) پر کیونکر اعتقاد رکھ سکتا ہے۔ علامہ نے ارشاد فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب! میں اس معاملے میں کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ مجھے تو خود اس کا تجربہ حاصل ہے۔ میں پیغمبر نہیں ہوں محض شاعر ہوں۔ جب مجھ پر شعر کہنے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو مجھ پر بنے بنائے اور ڈھلے ڈھلائے شعر اترنے لگتے ہیں اور میں انہیں بعینہٖ نقل کر لیتا ہوں۔ بارہا ایسا ہوا کہ میں نے ان اشعار میں کوئی ترمیم کرنا چاہی لیکن میری ترمیم اصل اور ابتدائی نازل شدہ شعر کے مقابلے میں بالکل ہیچ نظر آئی اور میں نے شعر کو جوں کا توں رکھا۔ جس حالت میں ایک شاعر پر پورا شعر نازل ہو سکتا ہے تو اسمیں کیا مقام تعجب ہے کہ آنحضرت صلعم پر قرآن کی پوری عبارت لفظاً بلفظ نازل ہوئی تھی؟ اس پر ڈاکٹر لوکس لاجواب ہو گئے۔

سوال کیا گیا کہ آیا آپ پر شعر کہنے کی کیفیت اکثر طاری ہوتی ہے؟ فرمایا۔ نہیں ایسی کیفیت سال بھر میں زیادہ سے زیادہ دو بار ہوتی ہے لیکن اسوقت مضامین کے ہجوم کی حالت وہی ہوتی ہے جیسے کسی ماہی گیر کے جال میں اس کثرت سے مچھلیاں پھنس جائیں کہ وہ پریشان ہو جائے اور سوچ میں پڑ جائے کہ کس کو پکڑوں اور کس کو چھوڑ دوں۔

پھر فرمایا عجیب بات یہ ہے کہ جب طویل مدت کے بعد کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس سے پہلی کیفیت کے آخری لمحات میں جو اشعار کہے تھے انکی طرف ذہن خود بخود منتقل ہو جاتا ہے گویا یہ فیضان کے لمحے دراصل ایک ہی زنجیر کی کڑیوں کی حیثیت رکھتے ہیں جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو میں ایک قسم کی تکان عصبی اضمحلال اور پژمردگی سی محسوس کرتا ہوں۔" (صفحہ ۲۴۴ تا ۲۴۶)

میں نے بغیر کسی تبصرہ کے یہ اقتباس نقل کر دیا ہے لیکن فقہائے شہر سے یہ پوچھنے کی جرأت کرتا ہوں (۱) الہام و وحی جاری ہے یا بند؟ (۲) یہ قسم جس کے الفاظ بھی خدا کے ہوں (جو علامہ اقبال کو ہوئی تھی) آپ کی اصطلاح میں وحی کی کونسی قسم ہے؟

طبی اشیاق

معالجاتِ ہیضہ

(از مکرم ڈاکٹر عبد الحمید صاحب چغتائی ۔ لاہور)

ہیضہ ایک صعب اور شدید مرض ہے ۔ اس کا اگر فوری علاج نہ کیا جائے تو مریض کی حالت ساعت بساعت ردّی ہوتی جاتی ہے ۔ چنانچہ وباء کے دنوں میں اگر اجابت بار بار اور پتلی ہونے لگے، پیٹ میں قراقر اور طبیعت میں اضطراب ہو تو اس کے علاج کی طرف فوراً توجہ کرنی چاہیئے اور فوراً ڈاکٹر کا مشورہ لینا چاہیئے ۔

ایسے موسم میں تندرست اشخاص کو ہیضہ کا ٹیکہ لگوا لینا چاہیئے ۔ اس سے مدافعت حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ موسم گرما کا مرض ہے اور عموماً باسی اغذیہ، نامرغوب اشیاء، خراب پانی، کچے دودھ اور کِرم خوردہ پھلوں کے استعمال سے عارض ہو جاتا ہے ۔ اِن اشیاء سے حتی الوسع پرہیز رکھیں۔

وباء کے دنوں میں غذا تازہ اور گرم گرم کھائیں ۔ پانی صاف پئیں ۔ اکل و شرب کی اشیاء کو مکھیوں سے محفوظ رکھیں ۔ گھر کی صفائی کی طرف متوجہ ہوں ۔ کھانے پینے کے برتن اُبلتے پانی میں صاف کریں ۔ بدن اور لباس کو پاک و صاف رکھیں اور بلا ضرورت کوئی مسہل نہ لیں۔

باسی اغذیہ اور خراب میووں سے پرہیز کریں ۔ امرود ۔ کھیرا ۔ ککڑی ۔ ناشپاتی وغیرہ کے نزدیک نہ جائیں ۔ ہلکی چاء مفید ہے ۔

اب مَیں اس مرض کا یونانی ۔ ویدک علاج ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں ۔ وھو ھٰذا :-

ابتداء ہیضہ میں مریض کو

۱ ۔ عرق گلاب اور پانی میں لیموں نچوڑ کر مصری اور برف ڈال کر
۵ تولہ آدھ سیر ۲ عدد ۴ تولہ بقدر ضرورت
بار بار پلائیں۔

۲ ۔ برف کے ٹکڑے ہوئے پانی میں ایسڈ سلفیورک ڈائیلیوٹ ۱۰ منم ملا کر ساعت بساعت دیں۔

۳ ۔ آب افشردہ فالسہ پلائیں ۔

۴ ۔ مقامِ معدہ پر رائی کا پلستر چند منٹ تک لگائیں۔

۵ ۔ انتڑیوں کو گرم رکھیں ۔

۶ ۔ جدوار ۔ زرنباد ۔ زنجبیل ۔ مشک ہموزن کی حب بقدر مونگ کھلائیں اور اُوپر سے
عرق الائچی ۔ عرق پودینہ ۔ عرق بادیان میں سلفیورک ایسڈ ڈائیلیوٹ
۵ تولہ ۵ تولہ ۵ تولہ ۱۰ منم
ملا کر پلائیں ۔

۷ ۔ جدوار ۔ پاپیتہ ولایتی ۔ نارجیل دریائی ۔ جوارش آملہ
۱ ماشہ ۱ ماشہ ۱ ماشہ تولہ
میں ملا کر دیں۔

۸ ۔ پاپیتہ اُسوخ گلاب میں گھس کر چٹائیں ۔

۹ ۔ تخم مرچ سُرخ ۔ ہینگ ۔ افیون ۔ کافور ہموزن کی گولی بقدر مونگ دیں ۔

۱۰ ۔ برگ پودینہ اسیر کا سہ آتشہ عرق بقدر ۵ تولہ میں کمفور وڈین ۵ منم ملا کر پلائیں ۔

۱۱ ۔ آب افشردہ انار دیں ۔

۱۲- کافور مقتول - تھائی مول - مشک خالص ہموزن ملاکر رکھ دیں۔ جب سب دوا کا محلول ہو جائے تو ۲-۲ قطرے مصری پر ڈال کر کھلائیں۔

۱۳- پوست بیخ عشر (مدار) فلفل سیاہ - آب ادرک -
تولہ ۱۰ تولہ ۱۰ تولہ
حبوب نخودی بنا کر کھلائیں۔

۱۴- نارجیل دریائی گلاب میں گھس کر بار بار دیں۔

۱۵- ہلدی مقشر - چونہ خوردنی - تخم مرچ سرخ - پوست بیخ مدار ہموزن لیکر عرق پودینہ کے ساتھ سخت بلیغ کرکے حبوب نخودی بنا کر دیں۔

۱۶- انار دانہ - پودینہ خشک - زرشک - طباشیر - زہرمہرہ ہر ایک ایک ماشہ سکنجبین لیموئی میں ملا کر چٹائیں۔

۱۷- ازالۂ نقاہت کے لئے دوا ما لمسک معتدل میں انار دانہ - پودینہ خشک - طباشیر - زہرمہرہ - ایک ایک ماشہ ملا کر دیں۔

۱۸- زہرمہرہ - طباشیر - سماق - انار دانہ بریاں - پوست ترنج
۱ماشہ ۱ماشہ ۱ماشہ ۱ماشہ ۱ماشہ
پوست بیرون پستہ - زرشک - صندل سفید سفوفاً
۱ماشہ ۱ماشہ ۱ماشہ
شربت لیموں ۲ تولہ میں ملا کر چٹائیں۔

۱۹- گل مدار ناشگفتہ - سہاگہ بریاں - نمک سیاہ - لونگ
۱۲ماشہ ۵ماشہ ۵ماشہ ۵ماشہ
مرچ سیاہ ۵ ماشہ - حب نخودی بنا کر دیں۔

۲۰- جدوار - پاپیتہ - ہینگ - تخم مرچ سرخ - فلفل سیاہ - کافور - زنجبیل - نارجیل دریائی - زہرمہرہ - ہموزن - حب نخودی بنا کر دیں۔

۲۱- نرکچور - درونج عقربی تولہ تولہ آب ٹماٹر میں ۳ بار ترو خشک کرکے بقدر ۱ ماشہ ہمراہ رُب انار دیں۔

۲۲- جدوار - زہرمہرہ - افیون - صندل سفید - زعفران
۵ماشہ ۵ماشہ ۱ماشہ تولہ ۲ماشہ

عود - پپیتہ - نارجیل دریائی - طباشیر - مشک - عنبر
۹ماشہ ۹ماشہ تولہ ۹ماشہ ۳ماشہ ۱ماشہ
آب لیموں میں حبوب نخودی بنا کر دیں۔

۲۳- جدوار - پپیتہ - نارجیل دریائی - فلفل سفید -
تولہ ۶ماشہ ۶ماشہ ۵ماشہ
دارچینی - زعفران - افیون -
۵ماشہ ۲ماشہ ۱ماشہ
حبوباً نخود برابر دیں۔

۲۴- زرشک - الائچی خورد - پودینہ خشک کشنیز خشک فلفل سیاہ - زہرمہرہ - طباشیر - زرورد - گردسماق - ساذج - انار دانہ ترش - جدوار - نارجیل دریائی - مغز کنول گٹہ - زعفران ہموزن بقدر ۴ سرخ ہمراہ رُب انار و عرق گلاب دیں۔

بند ہیضہ

(ہیضہ محتسبہ) کے لئے مندرجہ ذیل حبوب اکسیر ہیں۔

۱- حب الملوک مدبر - مغز کرنجوہ - دار فلفل - زنجبیل مساوی الوزن - حب بقدر نخود دیں۔

۲- سیماب مصفّیٰ - آملہ - ترکٹہ - جمال گوٹہ مدبر -
۶ماشہ ۶ماشہ ۸ماشہ ۲تولہ
ریگ پان کے ساتھ ایک روز کامل کھرل کرکے حبوب بقدر مونگ بنالیں - خوراک ایک گولی۔

۳- مغز جمال گوٹہ مدبر - کتھہ گلابی - حب بقدر مونگ دیں۔
تولہ ۲ تولہ

اکسیر بند ہیضہ منتھول - تھائی مول - کمفر
۶ماشہ ۶ماشہ ۲ماشہ
ایسڈ کاربالک - کروٹن آئل - ہینگ
۱۰ماشہ ۱ماشہ ۴سرخ - ملا کر رکھ دیں۔
جب محلول ہو جائے تو ۳ بوند ہمراہ عرق گلاب دیں، اکسیر ہے۔
ویدک طب میں کرپورآسو بہت مفید شے ہے۔ تعزیہ ہے۔

شراب برانڈی ۱۰ سیر میں کافور ۱۰ الائچی خورد۔ ناگرموتھ
۲۶ تولہ ۸ تولہ ۸ تولہ

زنجبیل۔ اجوائن۔ مرچ سیاہ۔ کستوری
۸ تولہ ۸ تولہ ۸ تولہ ۳ ماشہ

کا سفوف ڈالکر ایک ماہ تک محفوظ رکھیں۔ پھر فلٹر کرلیں خوراک ۱۰ منم ہمراہ عرق گلاب دیں۔ ہیضہ کی تمام حالتوں میں اکسیر شے ہے۔

حبس بول میں شورہ قلمی۔ کنجد سیاہ۔ مغز تخم انڈ ہموزن گھوٹ کر مقام مثانہ پر لیپ کریں۔

وبا کے دنوں میں نعیم جنت کا استعمال ازحد مفید ہے یہ نسخہ قرآن کریم سے ماخوذ ہے اور ہر صعب مرض میں اکسیر ہے۔

نسخہ نعیم جنت

یاقوت۔ مروارید۔ ورق طلاء
۱ ماشہ ۵ ماشہ ۱ ماشہ

ورق نقرہ۔ مرجان۔ زنجبیل۔ کافور۔ مشک۔
۴ ماشہ ۲ ماشہ ۱ ماشہ ۱ ماشہ ۱ ماشہ

آب رمان (انار) میں ۳ روز سحق کرکے سفوف بنالیں۔ خوراک ۴ برنج ہمراہ رب انارین دیں۔

ہیضہ کے حملہ کے بعد معدہ اور انتڑیاں بہت کمزور ہوجاتی ہیں۔ اسلئے مریض کو یخنی پلائیں۔ ماءاللحم دیں۔ تازہ پھلوں کا رس دیں۔ گلوکوس پلائیں۔ ساگو دانہ کھلائیں نیز تقویت معدہ کے لئے بطور دوا مندرجہ ذیل نسخہ جات مفید ہیں:-

۱۔ پوست ترنج۔ پوست سنگدانہ مرغ۔ آملہ ساد۔
۹ ماشہ ۵ ماشہ ۳ ماشہ

دارفلفل۔ ناگ کیسر۔ کلونجی
۱ ماشہ ۲ ماشہ ۴ سرخ۔ سفوفاً

خوراک ۴ سرخ۔

۲۔ زیرہ سیاہ۔ سلیخہ۔ نانخواہ۔ کرفس۔ الائچی۔
۶ ماشہ ۶ ماشہ ۶ ماشہ ۶ ماشہ ۶ ماشہ

زنجبیل۔ فلفل دراز۔ سنگدانہ مرغ۔ شکر سفید۔
۵ ماشہ ۵ ماشہ ۴ ماشہ ۶ تولہ

سفوفاً۔ خوراک ۴ سرخ۔

۳۔ دارچینی۔ پوست اترج۔ سنبل الطیب۔ زیرہ سفید۔
۶ ماشہ تولہ ۶ ماشہ ۶ ماشہ

دارفلفل۔ انار دانہ
تولہ ۲ تولہ۔ سفوفاً۔ خوراک ۱ ماشہ۔

۴۔ نانخواہ۔ طباشیر۔ شیطرج۔ دارفلفل۔ پودینہ۔ نمک سیاہ ہموزن۔ سفوفاً۔ خوراک ۳ سرخ۔

۵۔ سنگدانہ مرغ ۴ سرخ۔ مشک ا برنج ہمراہ رُب آملہ دیں۔

۶۔ سنگدانہ مرغ۔ قرنفل۔ مصطگی۔ پودینہ خشک۔ عود ہموزن خوراک ۱ ماشہ ہمراہ جوارش انارین۔

۷۔ مغز ثمر پپیتہ۔ فلفل سیاہ۔ نمک طعام۔ زنجبیل۔ نمک سیاہ۔ پودینہ۔ گل مدار۔ مساوی الوزن۔ حب بقدر نخود دیں۔

پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چھتر کتب ہدیہ -/۳۶
حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی نو کتابوں کا سیٹ " -/۹
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی چھیالیس کتب
معہ تفاسیر کا سیٹ ——— ہدیہ -/۱۰۰
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ کی نو کتب کا سیٹ " -/۹
فہرست کتب ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجکر دفتر رسالہ الفرقان سے طلب کریں!
نوٹ:- ان سیٹوں میں سے جو کتاب لوہ یا پاکستان میں مل سکتی ہو مہیا کر دی جائے گی۔ صرف تیس سیٹ ترتیب دیئے گئے ہیں۔ جلدی کریں ورنہ پھر ہاتھ نہ آئیں گے۔

المشتہر: عبدالعظیم تاجر کتب۔ منیجر بک ڈپو
صدر انجمن احمدیہ۔ قادیان دارالامان

قانونِ قدرت پر ایک غائر نظر

مذہب کے بارے میں "جبر و تشدد" کا نظریہ غیر فطری ہے

(جناب چودھری اعجاز الدین صاحب وکیل - گجرات)

تمام حیوانات کو جلبِ نفع اور دفعِ ضرر کیلئے قدرت نے جسمانی سامان دیئے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے وہ منزلِ ہستی کو طے کر لیتے ہیں۔ ان کو اپنے جسم کے ماسوا باہر سے کسی سامان کی حاجت نہیں ہوتی۔ ان کی غذائیں بالعموم قدرتی ہیں۔ ان کو مصنوعات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کی قوتِ ہاضمہ ایسی ہوتی ہے کہ وہ کچے پھل، غلہ، چارہ، بھوسہ اور کچا گوشت اور کیڑے مکوڑے ہضم کر سکتے ہیں۔ اُنکے کھانے کی سب چیزیں جہاں وہ بود و باش رکھتے ہیں قدرتِ خداوندی نے زمین اور جو السماء میں تیار رکھی ہیں۔ جن کی تلاش میں وہ دن بھر مصروف رہتے ہیں اور رات کو درختوں پر بسیرا لیتے ہیں یا زمین میں بلوں اور سوراخوں میں پناہ لیتے ہیں یا پہاڑوں پر پتھروں کے نیچے جا چھپتے ہیں۔ کچھ ایسے جانور بھی ہیں جو دوسرے کمزور جانوروں کا شکار کرتے ہیں اور انسان بھی بعض حیوانوں اور پرندوں کا شکار کرتے ہیں۔ ایسے کمزور جانوروں کو دشمن سے بچنے کے لئے پَر دیئے گئے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اُڑ کر بچ جاتے ہیں۔ یا اُن میں تیزی سے دوڑنے اور چھلانگیں لگانے کی ایسی طاقت رکھی گئی ہے کہ دشمن اُن کے تعاقب سے عاجز ہوتا ہے۔ یا اُن کے مُنہ میں زہر ہوتا ہے جس سے وہ دشمن کو ڈس کر ہلاک کرتے ہیں۔ یا اُن کے جسم پر خاردار بال ہوتے ہیں جن سے وہ حملہ آور کو زخمی کر دیتے ہیں۔ یا وہ ایسے طاقت ور ہوتے ہیں کہ وہ انسان اور دیگر حیوانات پر غالب ہوتے ہیں اور اُن کو قابو میں لانا آسان نہیں ہوتا اور اُنکی ذاتی دہشت ہی اُن کی ہستی کو برقرار رکھنے کے لئے کافی ہوتی ہے

طاقت ور اور کمزور جانور ابتداء سے موجود چلے آتے ہیں اور رہتی دُنیا تک موجود رہیں گے۔ ایسا زمانہ کبھی نہیں آ سکتا کہ کمزور جانوروں کو طاقت ور جانور نیست و نابود کر دیں۔ انسان جسمانی اور شخصی طور پر جلبِ نفع اور دفعِ ضرر کے سامان لیکر پیدا نہیں ہوتا اس کو اپنی خوراک، پوشاک اور رہائش کا انتظام مصنوعی طور پر کرنا پڑتا ہے۔ وہ اشیاءِ خوردنی، نوشیدنی اور پوشیدنی کے لئے زمین میں قلبہ رانی کرتا، کوئیں چلاتا اور پانی دُور سے لاکر اپنی کھیتیوں اور باغوں کو سیراب کرتا ہے۔ غلہ کو چکیوں میں پیستا اور آٹا بنا کر روٹیاں پکاتا ہے یا غلہ کو ہانڈیوں میں ڈال کر اُبالتا اور نرم کر کے کھاتا ہے۔ گوشت کو بھون کر یا پکا کر کھاتا ہے۔ پھلوں کو پکا کر استعمال میں لاتا ہے۔ رہائش کے لئے بڑی بڑی عمارتیں بناتا ہے۔ چمڑوں کی جوتیاں بنا کر پہنتا ہے۔ یہ ایسے کام ہیں جو انسانِ واحد سے نہیں ہو سکتے۔ ان کے لئے کاشتکاروں، لوہاروں، بڑھئیوں، کمہاروں، معماروں، موچیوں اور درزیوں وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ایک خاصہ مجمع ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے دیہات اور شہر آباد رہتے ہیں۔ اور چونکہ ان کو ایک جگہ اکٹھا رہنا

منصۂ ظہور پر آئی اور مدت دراز تک قائم رہی۔ بعد ازاں حضرت عیسیٰؑ کے پیروؤں نے آہستہ آہستہ ترقی کر کے یورپ کے کثیر حصہ، کل امریکہ اور ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر کسی ملک کے مفتوحین کے مذہب کو مٹا نہیں سکے۔ بلکہ یہودیوں نے جنہوں نے حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھایا تھا اور عیسائی مذہب کے سخت دشمن تھے زیادہ تر اقتصادی ترقی عیسائی ممالک میں کی۔ یہاں تک کہ ان عیسائی ملکوں میں سب سے زیادہ دولت مند یہودی ہی تھے اور ہیں۔

اگرچہ ہٹلر نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں جرمنی سے یہودیوں کو نکال دیا مگر پھر بھی وہ فنا نہیں ہوئے اور انگریزوں اور امریکہ کی مدد سے مسلمان عربوں کو ملک بدر کر کے اپنے قدیم آبائی اور مذہبی آثار کے حامل زرخیز خطۂ فلسطین پر قابض ہو گئے اور مسلمان عرب ریاستوں کی انتہائی مخالفت کے باوجود وہاں اسرائیلی حکومت قائم کر لی۔ جس کو اقوام متحدہ نے جس میں انگریزوں اور امریکہ کو برتری اور ایک گونہ آمریت حاصل ہے ایک آزاد سلطنت تسلیم کر کے اور ان کو جنگی ہتھیاروں سے مسلح کر کے ان کے ہاتھ پاؤں ایسے مضبوط کر دیئے کہ اب وہ ساری عرب حکومتوں اور مصر کے مقابلہ پر ڈٹ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ اور ارض مقدس کے عرب جلاوطن ہو کر دیگر اسلامی ملکوں کی خیرات پر گزارہ کر رہے ہیں۔

یہ سارے تاریخی اور عبرت خیز واقعات بتلاتے ہیں کہ کسی مذہبی پیشوا یا نبی کی جو جماعت ایک دفعہ قائم ہوئی وہ مٹی نہیں۔ اب اس قدر مذاہب دنیا میں پھیل گئے ہیں کہ کوئی ملک یہ کہنے میں حق بجانب نہیں ہے کہ یہاں ایک خاص مذہب کے پیرو ہی ہیں اور باقی مذاہب کا کوئی فرد یہاں موجود نہیں ہے۔ ہر ایک مذہب میں کئی فرقے ہیں جو آپس میں شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ عیسائیوں کے دو بڑے فرقے رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کئی صدیوں سے اب تک چلے آتے ہیں۔ پھر ان دو فرقوں میں کئی چھوٹے چھوٹے فرقے ہیں۔ جو سب اپنے اپنے عقائد پر قائم ہیں اور ایک دوسرے کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

مسلمانوں کے بھی دو بڑے فرقے سنی اور شیعہ کئی صدیوں سے چلے آتے ہیں۔ ان میں اصولی اختلافات ہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کو کافر اور جہنمی بیان کرتے ہیں۔ پھر ان دو فرقوں کے اندر کئی فرقے رونما ہو گئے ہیں اور سب اپنے آپ کو حق پر اور دوسرے کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ مگر ایک فرقہ دوسرے فرقے کو مٹا نہیں سکا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشیتِ ایزدی ہی یہ ہے کہ اپنی مرضی سے لوگ آپس میں مختلف رہیں اور ان کو جبراً ایک مذہب پر متفق اور متحد نہ کیا جائے تاکہ سچے کی صداقت اور جھوٹے کا جھوٹ ثابت ہو۔ آیہ کریمہ ذیل اس پر شاہد ناطق ہے:-

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ
أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ
مُخْتَلِفِيْنَ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ
رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَ
تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَئَنَّ
جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ
أَجْمَعِيْنَ ○ (11/120)

ترجمہ: "اگر خدا چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی مذہب کا پیرو بنا کر ایک ہی امت بنا دیتا لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے سوائے ان کے جن پر خدا کا رحم ہو گا۔ اور خدا نے اسی کے لئے ان کو پیدا کیا ہے"

اور خدا کی یہ بات پوری ہوئی کہ میں دوزخ
کو جن و انس سے بھر دوں گا۔"

مذہب کے عقائد کا ماننا اور اس کی صداقت اور حقانیت کا یقین کرنا دل سے تعلق رکھتا ہے۔ جبر اور تشدد اور عرصۂ حیات تنگ کرنے سے عقائد تبدیل نہیں کیے جا سکتے بلکہ اس کا اُلٹا اثر ہوتا ہے۔ اگر مذہب کے منوانے میں جبر و تشدد کے طریقوں کو کام میں لایا جائے تو بجائے ایمان کے دلوں میں بغض اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرمایا۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۲/۲۵۷) کہ دین میں ہرگز جبر روا نہیں۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (۳/۱۰۵) تم میں سے بقیادتِ امام ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو بھلائی یعنی دینِ حق کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ نیک کاموں کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے۔ پھر فرمایا کہ پسندیدہ، دانشمندانہ اور پُرامن طریق سے تبلیغ ہونی چاہیئے۔ فرمایا:-

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ (۱۶/۱۲۶)

"دانشمندی سے اور پسندیدہ نصیحت کے
طور پر لوگوں کو اپنے ربّ کے راستہ کی طرف بُلا
اور اگر بحث کا موقع ہو تو احسن اور پُرامن
طریق سے بحث کر۔"

قرآن مجید قیامت تک راہنمائی کرے گا اور کبھی منسوخ نہیں ہوگا۔ اسکے احکام ہمیشہ کیلئے ہیں۔ اگر کوئی وقت ایسا بھی آنا تھا کہ رُوئے زمین پر سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب سرے سے ہی نہیں رہنا تھا اور چاروں دانگ عالم میں صرف مسلمان ہی مسلمان نظر آنے تھے تو ہمیشہ کیلئے یہ حکم دینے کی کیا ضرورت تھی کہ ان لوگوں کو جو اسلام کے قائل نہیں ہیں اسلام کی طرف حکمت سے نصیحت کے طور پر بلا۔ اور احسن طریق سے مناظرہ کر۔ اہلِ اسلام میں سے ایک منظم جماعت ہونی چاہیئے جس کا فرض تبلیغ ہو۔ صداقت مقابلہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اگر کوئی مقابلہ نہ ہو اور صداقت کو مٹانے کی کوشش کرنیوالے صفحۂ ہستی سے مِٹ جائیں تو تبلیغ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور نہ بحث و مناظرہ کا موقع پیدا ہوتا ہے۔ پس یہ خیال کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ شیطان جس کو قیامت تک مہلت دی گئی ہے صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا اور صرف مسلمان اور وہ بھی ایک خاص فرقہ سے تعلق رکھنے والے رہ جائیں گے اور باقی سب فرقے نابود ہو جائیں گے۔ اور دعوت الی سبیل اللہ کا خاتمہ ہو جائے گا ایک خیالِ خام ہے۔ جس کی قرآن تردید کرتا ہے۔ ہاں اسلام کے روحانی و معنوی غلبہ کی بشارت کے ساتھ آخری زمانہ میں مسلمانوں کے غلبہ اور اُن کی شوکت کی اخبارِ صادقہ ضرور موجود ہیں اور وہ پوری ہو کر رہیں گی۔

خدا رحیم و کریم ہے۔ ہر ایک چیز پر اس کی رحمت کا سایہ ہے۔ کیونکہ ہر ایک چیز کا وہ خالق و مالک ہے۔ اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ کوئی قوم دوسری قوم کو ظلم کی راہ سے فنا کے گھاٹ اُتار دے۔ انبیاء کی جماعت دُنیوی لحاظ سے بالکل کمزور اور قلیل ہوتی ہے اور بد کردار مخالف گروہ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر اس کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ مگر چونکہ انبیاء کے پیرو راستباز، خدا کے پرستار اور ہمدردِ بنی نوع انسان ہوتے ہیں اور خدا کی ہستی کا ثبوت اُنہیں سے ملتا ہے اسلئے وہ مٹائے نہیں جاتے

اور خدا اپنی قدرتِ کاملہ سے ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ وہ ترقی کے بلند مقام تک پہنچ جاتے ہیں اور دُنیا یہ ماجرا دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ اور آخر مخالفین کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ اُن کا مقابلہ بے فائدہ اور موجبِ خسران و حرماں ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔

رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ
فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ
هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۵۵)

"میری رحمت ہر ایک چیز پر محیط ہے مگر اُن لوگوں کیلئے خاص طور پر اپنی رحمت مقرر کرونگا جو تقویٰ شعار ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہمارے نشانوں پر ایمان لاتے ہیں"

پھر فرمایا :۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَاۤءِ وَهٰۤؤُلَاۤءِ
مِنْ عَطَاۤءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَاۤءُ
رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ (۱۷/۲۱)

"جو دُنیا کے طالب ہیں اور جو آخرت کے طالب ہیں سب کو ہم اپنی رحمت سے نوازتے اور اُن کی مدد کرتے ہیں۔ اور کسی پر تیرے رب کی موہبت کا دروازہ بند نہیں ہے"

مظاہرِ قدرت تمام انسانوں کو چاہے وہ کسی مذہب و ملّت کے پیرو ہوں، چاہے وہ خدا کے بھی منکر ہوں، اپنے فیوض سے بہرہ ور کر رہے ہیں۔ اس دُنیا میں تاوقتیکہ کوئی قوم ظلم و ستم و سبّ و شتم و استہزائے مامورینِ خدا میں حد سے نہ گذر جائے محض عقیدہ کی بنا پر عذابِ الٰہی میں مبتلا نہیں ہوتی۔ سورج، چاند اور ستارگان سب پر یکساں چمکتے ہیں۔ سب کو اپنی نورانی تاثیرات سے یکساں مستفید کر رہے ہیں۔ ہوا اور بارش سب کے لئے یکساں موجبِ زندگی ہے۔ سمندروں اور دریاؤں کے پانی اور زمین کے اندرونی خزائن سب کے لئے یکساں مہیا کئے گئے ہیں۔ جو بھی جدّ و جہد سے کام لے ان خزائنِ قدرت کو حاصل کر سکتا ہے۔ انسانی حواسِ ظاہری و باطنی سب کو یکساں کام دے رہے ہیں۔ عقیدہ کے بدلنے سے کوئی ان سے محروم نہیں کیا جاتا۔ منہ رحیم و کریم خدا کا یہ منشا ہے۔ اسلئے جو لوگ مذہبی عقیدہ کی بنا پر جو دل سے تعلق رکھتا ہے دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو اپنی اکثریت اور چندروزہ طاقت کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں، وہ خدا کی ازلی و ابدی سُنّت کو مٹانا چاہتے ہیں جو ہرگز نہیں مٹ سکتی۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ کہ تو کبھی خدا کی سُنّت میں تغیر و تبدل نہیں دیکھے گا۔

اُمُّ الْاَلْسِنَۃ نمبر

رسالہ الفرقان کا آئندہ شمارہ "اُمّ الاَلْسِنۃ نمبر" ہوگا جس میں محترم جناب شیخ محمد احمد صاحب ایڈووکیٹ لائلپور کا نہایت ٹھوس اور تحقیقی مفصّل مضمون شائع ہو رہا ہے۔ احباب کو چاہیئے کہ اہلِ علم طبقہ میں اس علمی مضمون کی کثرت سے اشاعت فرماویں۔ عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ثابت ہو جانے سے قرآن مجید کی عظمت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اور اسلام کے زندہ اور عالمگیر مذہب ہونے پر ایک قطعی اور ناقابلِ تردید برہان قائم ہو جاتا ہے پس یہ نمبر ہر طرح سے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ بیس یا بیس سے زائد پرچے طلب کرنیوالے احباب کو پچیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا۔ عام قیمت بارہ آنے ہوگی۔ (مینجر الفرقان ربوہ۔ پاکستان)